بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

شوال المکرم ۱۴۳۶ھ | اگست ۲۰۱۵ء | جلد نمبر ۳۹ شمارہ ۸

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر 15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	مودی کی یوگا کی سیاست	محمد طفیل احمد مصباحی	۳

--------------------تحقیقات--------------------

علمی تحقیق	قرآن مقدس: علوم و معارف کا خزانہ	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	۵

--------------------فقہیات--------------------

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں....؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۸

--------------------نظریات--------------------

فکر امروز	فکری تضاد کی ایک جھلک	ڈاکٹر غلام زرقانی	۱۰
نیرنگی زمانہ	عجب تماشہ ہے بے وجہ کا	محمد عابد چشتی ثقافی	۱۲

--------------------اسلامیات--------------------

سائنسی تحقیق	تخلیقِ انسان اور انسانی جسم	مہتاب پیامی	۱۴
بزمِ خواتین	شادی: اسلام کی نظر میں	عبدالمالک مصباحی	۲۰
شعاعیں	تکبر و غرور کی تباہیاں	محمد ہاشم قادری مصباحی	۲۳

--------------------شخصیات--------------------

انوارِ حیات	مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی (پانچویں قسط)	مبارک حسین مصباحی	۲۵
آئینۂ زندگی	لمعات التنقیح: ایک مطالعہ (آخری قسط)	مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی	۳۰

--------------------سیاسیات--------------------

آئینۂ وطن	نفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے (آخری قسط)	مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی	۳۶
تاریخِ وطن	تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات	محمد حیدر رضا مصباحی	۴۰

--------------------ادبیات--------------------

گوشۂ ادب	ذوقِ نعت: ایک ادبی جائزہ	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	۴۶
نقد و نظر	معراجِ زندگی در بندگی	مبصر: محمد طفیل احمد مصباحی	۵۰
خیابانِ حرم	نعتیں	حسن رضا اطہر/ فناء القادری/ مہتاب پیامی	۵۱

--------------------مکتوبات--------------------

صدائے بازگشت	شکیل احمد مصباحی		۵۲

--------------------سرگرمیاں--------------------

خیر و خبر	بھیونڈی میں حافظ ملت کانفرنس/ جامعہ عارفیہ میں توسیعی خطاب/ کولکاتا میں انوار رضا کانفرنس/ ناگور میں سنی تعلیمی کانفرنس		۵۳

اداریہ

مودی کی یوگا سیاست

ہندو کلچر کو فروغ دینے کی منظم سازش

محمد طفیل احمد مصباحی

ہندوستان کے سارے مسائل و مشکلات چٹکی بجاکر حل کر دینے اور "سب کا ساتھ، سب کا وکاس" جیسے بلند بانگ دعوی کر کے ۱۳/ ماہ قبل نریندر مودی کی قیادت میں اقتدار کی کرسی پر براجمان ہونے والی بی جے پی حکومت میں وکاس (ترقی) تو کہیں نظر نہیں آتا، البتہ ملک و قوم اور اقلیتوں کا ستیاناس ہوتا ضرور دکھائی دیتا ہے۔ جرائم، کرپشن، بھوک مری، بے روز گاری، اکثریتی طبقوں کی بلند حوصلگی اور فرقہ پرستی ملک میں جس تیزی سے پھیل رہی ہے، اس سے ملک کا وِکاس نہیں بلکہ وِناش (تباہی و بربادی) ہو رہا ہے۔ مودی کی حکومت کو لے کر ہمارے قومی میڈیا نے اس وقت بہت سارے امکانات اور خدشات ظاہر کیے تھے۔ ارباب علم و بصیرت اور اصحاب سیاست و صحافت نے اسے ملکی مفادات اور وطن کے تحفظ و سالمیت کے لیے خطرے کا الارم بتایا تھا۔ گذشتہ ۱۳/ ماہ کی کارکردگیوں اور سرگرمیوں نے مودی سرکار کے ڈھکوسلوں اور بلند بانگ دعوؤں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ باشندگانِ وطن کے خدشات درست ثابت ہوئے ہیں اور مودی ڈھول کے پول کھل چکے ہیں۔ اس تناظر میں مودی حکومت کو "وکاس والی سرکار" نہیں بلکہ "ڈفلی والی سرکار" کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔

اقلیتی طبقوں کے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر برہمنی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے اور آر۔ ایس۔ ایس۔ کے ایجنڈوں کو جبرًا پورے ملک پر مسلط کرنے والی مودی حکومت کی تازہ ترین سیاست "یوگا کی سیاست" ہے۔ نریندر مودی کی کوششوں سے اب ہر سال ۲۱/ جون کو ہندوستان سمیت پوری دنیا میں "یوگا ڈے" منایا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے "بین الاقوامی یوگا ڈے" کا نام دیا گیا ہے۔

وزیر اعظم ہند نریندر مودی نے ۲۷/ ستمبر ۲۰۱۴ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اپنے خطاب میں یوگا کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ "یوگا ہندوستان کی قدیم روایت کا ایک انمول تحفہ ہے۔ یہ ذہن اور جسم کی وحدت کی علامت ہے۔ انسان اور فطرت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے اور ہماری طرزِ زندگی کو تبدیل کرنے اور شعور پیدا کرنے میں معاون ہے۔ یوگا ہمیں اخلاقی اور روحانی قدریں عطا کرتا ہے۔ یوگا آرٹ، سائنس اور فلسفہ ہے، جو عوام کو اپنی شناخت میں مدد کرتا ہے۔ جدید طبّی سائنس نے تصدیق کی ہے کہ یوگا سے نہ صرف تناؤ کم ہوتا ہے بلکہ اس کے بہت سے دیرپا فائدے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے یوگا کو عالمی سطح پر مقبول ہونے اور لوگوں کو اس انمول ہندوستانی وراثت سے فائدہ اٹھانے میں مدد ملے گی۔" (ہفت روزہ عالمی سہارا، ۲۷/ جون ۲۰۱۵ء)

۱۱/ دسمبر ۲۰۱۴ء کو اقوامِ متحدہ کے ۱۹۳/ ممبران کی طرف سے مودی کے اس مطالبے کو منظور کر لیا گیا اور وزیر اعظم ہند کی "بین الاقوامی یوگا ڈے" کی مانگ کو نوّے دنوں کے اندر اکثریت کی منظوری مل گئی، جو کہ اقوام متحدہ میں کسی بھی دن کو منانے کے لیے سب سے جلد ملنے والی منظوری ہے۔ اس میں دو رائے نہیں کہ ملک کا وزیر اعظم بننے کے بعد نریندر مودی نے ہندوتو کلچر کو فروغ دینے اور برہمنی تہذیب و ثقافت کو عالمی سطح پر متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یوگا کو اقوام متحدہ سے منظور کروا کے ہر سال ۲۱/ جون کا دن خاص کرنا، اس کے نفاذ کے لیے پورے ملک میں فکری و عملی اعتبار سے کوشاں رہنا در اصل ہندوتو کلچر کو بڑھاوا دینے کی ایک بڑی کوشش اور پورے ملک کو بھگوا رنگ میں رنگنے کی ایک منظّم سازش ہے، جو اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔

عالمی برادری پہلے یوگا کی حقیقت و ماہیت اور طریقۂ کار سے کما حقہ واقف نہ تھی، لیکن اب مسٹر نریندر مودی کی کوشش سے یوگا پوری دنیا میں متعارف ہو گا اور اسے صرف ہندومت کا نہیں بلکہ پورے ہندوستان کا کلچر سمجھا جائے گا۔

ہمارا ملک ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے۔ جمہوریت میں سارے طبقوں اور نظاموں کو ساتھ لے کر چلا جاتا ہے، کسی خاص

قوم و مذہب کے ساتھ حکومت کا جانب دارانہ رویہ مخصوص تہذیب و ثقافت اور مخصوص طرزِ زندگی و بندگی کو بذریعۂ حکومت بڑھاوا دینا، یہ جمہوریت کے لیے ایک سمّ قاتل اور زہر ہلاہل ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ مودی کی قیادت میں مرکز میں برسراقتدار پارٹی بی. جی. پی. اپنی غیر منصفانہ پالیسیوں سے ہندوستانی جمہوریت کی بنیاد ہلانے میں مسلسل لگی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی. جے. پی. کی زیر اقتدار ریاستوں میں نصاب تعلیم اور نظامِ تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ سوریہ نمسکار (سورج کی پوجا) سرسوتی وندنا اور گیتا پروچن کو اسکول نظام کا ایک اہم حصہ قرار دے دیا گیا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ردّ و بدل کر کے مسلمانوں کے حوالے سے نئی نسلوں کے ذہن و فکر کو پراگندہ کیا جا رہا ہے اور ہندو دھرم سے جڑے ہزاروں سال پرانے قصّوں، کہانیوں اور افسانوں کو تاریخ کے قالب میں ڈھالا جا رہا ہے۔ حکومت کی سرپرستی میں یہ ساری کارروائیاں محض اس لیے انجام دی جا رہی ہیں، تاکہ ہندو تہذیب اور برہمنی ثقافت کو پورے ملک میں رائج و نافذ کیا جا سکے۔

یوگا ہندو مذہب و ثقافت سے جڑا ایک مخصوص طرزِ عمل ہے۔ یہ ہندو سادھوؤں، سنتوں اور باباؤں کا عمل ہے۔ لیکن حکومت کی سرپرستی میں یوگا کی ترویج و اشاعت اور اس کے لیے وسیع پیمانے پر سرکاری وسائل و ذرائع کا استعمال، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکومت کو عوامی مفادات سے زیادہ ہندوتو کلچر کا فروغ و استحکام عزیز ہے۔ راقم الحروف کی ناقص رائے میں وندے ماترم، سوریہ نمسکار اور یوگا در اصل "یونیفارم سول کوڈ" کے راستے ہموار کرنے کے ابتدائی مرحلے ہیں۔ یوگا ایک مخصوص برہمنی طرزِ عبادت ہے، جس کا مقصد ریاضت و ورزش سے زیادہ بھگوان کے آگے سرافگندگی اور خود سپردگی ہے۔ اس کا راست تعلق ہندو مذہب سے جڑا ہوا ہے۔ ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب "بھگوت گیتا" کا ایک اہم باب "یوگا" ہے۔ شری کرشن نے شری ارجن کو یوگا کی تعلیم دی تھی۔ اس کے بعد ہی سے ہندوؤں میں یوگا کی رسم جاری ہے، جسے سادھو سنت لوگ فرض کفایہ کے طور پر ادا کرتے ہیں۔ یوگا میں سورج کی پہلی کرن کو پرنام کیا جاتا ہے۔ یہی سوریہ نمسکار ہے۔ مختلف مرحلوں میں اشلوک پڑھے جاتے ہیں، جس کی ابتدا "اوم" سے ہوتی ہے۔

جس یوگا کی حقیقت یہ ہو کہ اس میں شرکیہ افعال و اعمال انجام دیے جاتے ہوں، اسے بلا امتیاز مذہب و قوم پورے باشندگانِ ملک کے سروں پر مسلط کرنا، سراسر ظلم و زیادتی اور آئینِ ہند کی صریح خلاف ورزی ہے۔ ہمارے ملک کے آئین میں صراحت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ "بھارت کی حکومت سیکولر رہے گی اور حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہوگا۔حکومت کے کام اور حکومتی ادارے نہ کسی مذہب کی پیروی کریں گے اور نہ کسی سے پیروی کرائیں گے۔

جب ملکی قانون کے مطابق کسی مخصوص مذہب کے فروغ یا کلچر کے استحکام و ترقی کے لیے سرکاری وسائل و اختیارات کا استعمال دستورِ ہند کے خلاف ہے، تو یوگا جیسی مخصوص برہمنی طرزِ عبادت کے فروغ و استحکام کے لیے حکومتی وسائل کا استعمال کرنے والے بلا شبہہ قانونی مجرم ہیں۔

یوگا کی مخالف کرنے کے سبب مسلمانوں پر لعن طعن کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پہلے ان کھدّر پوش حکمرانوں پر لعنت و ملامت کریں جو حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر دستورِ ہند کے ساتھ کھلواڑ کر رہے ہیں اور ملکی جمہوریت کی بنیاد اکھیڑ رہے ہیں۔

مذہبِ اسلام پوری دنیا کو توحید کا درس دیتا ہے، مسلمان عقیدۂ توحید کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں، کفریہ اعمال اور شرکیہ افعال سے دور و نفور رہتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان شرکیہ اعمال و افعال پر مبنی یوگا کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کر سکتے۔ اسلامی شریعت اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ مسلمانوں کو خود بھی اور اپنے بال بچوں کو بھی یوگا سے دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ یوگا کے بارے میں حکومتی اہل کاروں کا یہ دعویٰ کہ "یوگا کوئی مذہبی رسم یا کلچر نہیں، بلکہ ایک قسم کی کسرت اور ورزش ہے" سراسر غلط اور مغالطہ آمیز ہے۔ یوگا کے پس پردہ ہندو کلچر کو فروغ دینے کی ایک منظم سازش کار فرما ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔مسلمان جیسی نمازی قوم کو بطور ورزش بھی یوگا کی ضرورت نہیں۔مسلمان نماز پڑھیں نماز کے صدقے عبادت و ریاضت دونوں حاصل ہو جائے گی۔ نماز بے شمار جسمانی و روحانی امراض کا علاج ہے۔ جو ورزش نماز میں ہے وہ یوگا میں کہاں؟ تازہ ترین خبروں کو مطابق اسکولوں میں مسلم طلبہ و طالبات سے جبراً یوگا کرایا جا رہا ہے۔مسلمان اس تعلق سے اپنے بچوں کی خاص نگرانی کریں اور انھیں یوگا سے دور رہنے کی ترغیب دیں۔...☆...☆...☆...☆

علمی تحقیق

قرآن مقدس
علوم ومعارف کا خزانہ

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

قران مجید فرقان حمید میں ہر خشک وتر کا علم موجود ہے۔اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔اس مقدس کتاب کی عظمت وبرتری پر دیوان کے دیوان لکھے جاسکتے ہیں لیکن وصف کا دروازہ بند نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جو عظمت و شان قرآن مجید کو عطا کی ہے وہ کسی اور کلام کو حاصل نہیں۔عظیم وذیشان کلام جس کا کوئی ثانی نہیں۔اپنے اصلی موضوع کی جانب جانے سے قبل قران مجید کی فضیلت پر چند سطور پیش خدمت ہیں تاکہ اس طور پر بھی فیضان قران سے بہرہ مند ہونا ہمارا مقدر بن جائے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی واضح دلیل اور اس کا نازل کیا ہوا نور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء،آیت:۱۷۴)

ترجمہ:اے لوگو بیشک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی اور ہم نے تمھاری طرف روشن نور نازل کیا۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی اس کلام کو اپنی طرف سے نہیں بنا سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (یونس،آیت:۳۷)

ترجمہ:اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اللہ کے نازل کئے بغیر کوئی اسے اپنی طرف سے بنالے،ہاں یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح محفوظ کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

تمام جن وانس مل کر اور ایک دوسرے کی مدد کرکے بھی قرآنِ عظیم جیسا کلام نہیں لاسکتے،چنانچہ ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا'(بنی اسرائیل،۸۸)

ترجمہ:تم فرماؤ:اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہوجائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

یہ محفوظ کتاب ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے،چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ.(حجر،آیت:۹)

ترجمہ:بیشک ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:قرآن مجید ہر نافع علم پر مشتمل ہے یعنی اس میں گزشتہ واقعات کی خبریں اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم موجود ہے،ہر حلال وحرام کا حکم اس میں مذکور ہے،اور اس میں ان تمام چیزوں کا علم ہے جن کی لوگوں کو اپنے دنیوی،دینی،معاشی اور اُخروی معاملات میں ضرورت ہے۔(ابن کثیر،النحل،تحت الآیۃ:۸۹)

محترم قارئین !یہ تو کلام مجید کے فضائل تھے۔اب اس کتاب میں ہم نے سمندر تلاش کرلیے۔آسمان کی بلندیوں کا ادارک کرلیا۔زمین کے سینہ کے رازوں کا پتا لگالیا۔تحقیق وتخلیق کے میدان میں اس منبع علم سے مستفاد ہوئے۔کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ کیا قران نے کہیں ہمارا تعارف بھی پیش کیا؟کہیں قران میں ہم خود کو بھی تلاش کریں؟

ماوشما توکس گنتی میں یہ تو اللہ کے مقربین کا خاصہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر ہر گوشہ پر غور وفکر کیا کرتے ہیں۔خود احتسابی ان کی ذات کا جزو لاینفک ہوا کرتا ہے۔خیر آئیے !ایک عاشق رسول،کی سیرت سے استفادہ کرتے ہیں جنھوں نے قرآن میں اپنی ذات کو تلاش کیا۔اور تلاش بھی ایسا کیا کہ دل ڈھل جائیں۔آنکھیں نم ہوجائیں عقل حیران وخیرہ ہوجائے۔

عاشق اکبر،حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد رشید شیخ

الاسلام ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی بغدادی (۲۰۲....۲۹۴ھ) نے اپنی کتاب قیام اللیل میں ایک سبق آموز سیرت کا واقعہ نقل کیا ہے جس سے اسلاف کے فہم قرآن اور تدبر قرآن پر روشنی پڑتی ہے۔

جلیل القدر تابعی اور عرب سردار حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ اکابر ثقات تابعین وعلما وحکمائے کاملین سے تھے زمانہ رسالت میں پیدا ہوئے۔۶۷تا۷۲ زندہ رہے۔عاقل وحلیم تھے (پاؤں میں کج تھا ایک آنکھ جاتی رہی تھی داڑھی خلقۃً نہ نکلی تھی) ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے سورۃ الانبیا کی یہ آیت تلاوت کی:

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ.

(پ۱۷،سورہ الانبیاء .آیت:۱۰)

ترجمہ:"بیشک ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب اتاری جس میں تمھاری ناموری ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں۔"

وہ چونک پڑے اور کہا کہ ذرا قرآن مجید تو لانا اس میں، میں اپنا تذکرہ تلاش کروں، اور دیکھوں کہ میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں، اور کن سے مجھے مشابہت ہے؟ انہوں نے قرآن مجید کھولا، کچھ لوگوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا، جن کی تعریف یہ کی گئی تھی:

وَمِنَ الَّیۡلِ مَا یَہۡجَعُوۡنَ O وَبِالۡاَسۡحَارِ ہُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ O وَفِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ.

(پ۲۶،الذریٰت،آیت:۱۷،۱۸،۱۹)

ترجمہ:وہ رات میں کم سویا کرتے۔اور پچھلی رات استغفار کرتے۔ اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔

نظر آئے جن کا حال یہ تھا:

تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ. (پ۲۱،السجدہ. آیت:۱۶)

ترجمہ:ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں خوابگاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے۔اور ہمارے دیے ہوئے میں سے کچھ خیرات کرتے ہیں۔

پھر ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا .

ترجمہ:اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں۔(پ۱۹،الفرقان،آیت:۶۴)

تفسیر خزائن العرفان: یعنی نماز اور عبادت میں شب بیداری کرتے ہیں اور رات اپنے ربّ کی عبادت میں گزارتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے تھوڑی عبادت والوں کو بھی شب بیداری کا ثواب عطا فرماتا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص بھی بعد عشا دو رکعت یا زیادہ نفل پڑھے وہ شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہے۔مسلم شریف میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس نے عشا کی نماز باجماعت ادا کی اس نے نصف شب کے قیام کا ثواب پایا اور جس نے فجر بھی باجماعت ادا کی وہ تمام شب کے عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے لوگوں کے بھی ملاحظہ کیا جن کے بارے میں کلام ازلی کا پیغام کچھ اس طرح تھا:

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ.

(پ،آل عمران،آیت:۱۳۴)

"ترجمہ:وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔"

تفسیر: یعنی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے سید عالم نے فرمایا خرچ کرو تم پر خرچ کیا جائے گا یعنی خدا کی راہ میں دو تمہیں اللہ کی رحمت سے ملے گا۔

ایسے ہی پھر اور لوگوں کا ذکر بھی قران نے کچھ اس طرح پیش کیا:

وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ .(پ۲۸،الحشر،آیت:۹)

"ترجمہ:اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہے۔"

(مہاجرین۔یعنی مہاجرین کو جو اموال غنیمت دیے گئے۔انصار کے دل میں ان کی کوئی خواہش نہیں پیدا ہوتی رشک تو کیا ہوتا سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت نے قلوب ایسے پاک کردیئے کہ انصار مہاجرین کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔یعنی مہاجرین کو۔)

شانِ نزول: حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا، حضور نے ازواج مطہرات کے حجروں پر معلوم کرایا کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ معلوم ہوا کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے، تب حضور نے اصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان

بنائے، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے، حضرت ابوطلحہ انصاری کھڑے ہوگئے اور حضور سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے، گھر جا کر بی بی سے دریافت کیا، کچھ ہے؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں، صرف بچوں کیلئے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے، حضرت ابوطلحہ نے فرمایا بچوں کو بہلا کر سُلادو اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے اٹھو اور چراغ کو بجھادو تاکہ وہ اچھی طرح کھالے، یہ اس لیے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہلِ خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں کیونکہ اس کو یہ معلوم ہوگا تو وہ اصرار کرے گا اور کھانا کم ہے بھوکا رہ جائے گا، اس طرح مہمان کو کھلایا اور آپ ان صاحبوں نے بھوکے رات گذاری، جب صبح ہوئی اور سیّدِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا، اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جس کے نفس کو لالچ سے پاک کیا گیا۔

پھر اور کچھ لوگوں کی زیارت ہوئی جن کے اخلاق یہ تھے:

وَ الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ (پ۲۵،الشوریٰ،آیت:۳۷)

”ترجمہ :اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور جب غصّہ آئے معاف کردیتے ہیں “

اور ... وَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ.

(پ۲۵،الشوریٰ،آیت:۳۸)

”ترجمہ:اور وہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم رکھی اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔“

وہ یہاں پہنچ کر ٹھٹک کر رہ گئے اور کہا اے اللہ میں اپنے حال سے واقف ہوں، میں تو ان لوگوں میں نظر نہیں آتا! پھر انہوں نے ایک دوسرا راستہ لیا، اب ان کو کچھ لوگ نظر آئے، جن کا حال یہ تھا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝لا وَيَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ .(سورۃ صافات)

”ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے، اور کہتے تھے، کہ بھلا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں؟“

پھر اُن لوگوں کا سامنا ہوا جن کی حالت یہ تھی:

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝

”اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے دل سمٹ جاتے ہیں ان کے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر ہوتا ہے۔ جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔“ (پ۲۴،الزمر،آیت:۴۵)

کچھ اور لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن سے جب پوچھا گیا:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ . قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ . وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ . وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ . وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ. حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ . (پ۲۹،المدثر،آیت:۴۲تا۴۷)

”ترجمہ: تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی۔ وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔ اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے۔ اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے۔ اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی“

یہاں بھی پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے دم بخود کھڑے رہے پھر کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا، اے اللہ! ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بری ہوں۔ اب وہ قرآن مجید کے ورقوں کو اُلٹ رہے تھے، اور اپنا تذکرہ تلاش کر رہے تھے، یہاں تک کہ اس آیت پر جا کر ٹھہرے:

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(پ۱۱،التوبۃ،آیت:۱۰۲)

ترجمہ :اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دوسرا بُرا۔ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس موقع پر اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا، ہاں ہاں! یہ بے شک میرا حال ہے۔

محترم قارئین! دیکھا آپ نے جو زندگی کے حقیقی مقصد پر نظر رکھتے ہیں۔ جو کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ ان کے طور طریقے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ ناظرہ قرآن مجید ختم کیا ہوگا۔ بہتیروں نے حفظ کیا۔ بہتیروں نے اس کے ترجمے کے فن کو بھی سیکھا۔ ایک ہم میں ایک قدر مشترک رہی کے دنیا جہان کے علوم کے لیے قرآن کو منبع جانا۔ نہیں تلاش کیا تو اپنے آپ تلاش کیا۔ اللہ عزوجل ہمیں قرآن مجید سے مستفید ہونے اور کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ۔☆

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین/سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ **مفتی محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے

بچہ دانی نکلوانا کیسا ہے؟

میں اترتے وقت سیڑھی سے گر گئی تھی اور بچہ دانی میں چوٹ آگئی ہے بہت زیادہ تکلیف رہتی ہے تقریباً آٹھ سال ہو گئے تو حضرت میں آپریشن کرانا چاہتی ہوں۔ یہ مسئلہ حل کر دیجیے۔

الجواب

علاج سے گھبرانا نہیں چاہیے اللہ تعالیٰ نے درد دیا ہے وہی شفا دے گا تم علاج جاری رکھو کسی ماہر تجربہ کار ہومیوپیتھ کے ڈاکٹر سے دوا لو یا اچھے ایم، بی، ایس، ایم، ڈی سے، امید ہے کہ بغیر آپریشن کے ٹھیک ہو جاؤ گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ بچہ دانی کٹوا کر نکلوانا حرام او شیطانی کام ہے اس لیے جب تک اس سے بچنا ممکن ہو بچو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

کیا کنڈوم لگا کر حلالہ درست ہوگا؟

حلالہ کے لیے وطی کی ایک صورت بعض اشخاص نے یہ اختیار کی ہے کہ آلۂ تناسل پر کنڈوم لگا کر وطی کرتے ہیں اس سے فریقین کا مقصود ایک تو کسی متعدّی مرض مثلاً ایڈس سے حفاظت ہے دوسرے استقرار سے حفاظت بھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا کنڈوم لگا کر وطی کرنے سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو جائے گی؟

الجواب

ہاں! حلالہ ہو جائے گی، کیوں کہ کنڈوم کی وضع اس غرض کے لیے ہوئی ہے کہ میاں، بیوی جماع کی لذت سے محفوظ ہوں اور استقرار نہ ہو۔ کنڈوم زوجین کو ایک دوسرے کے عضو خاص کی حرارت محسوس ہونے سے مانع نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کا استعمال عام ہے۔ اس کی نظیر فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ شوہر نے آلۂ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر جماع کیا اور وہ حرارت محسوس ہونے سے مانع نہیں تو حلالہ صحیح ہے۔

حلالہ کی صحت کے لیے بنیادی شرط ہے لذت جماع کا احساس ہو جو حدیث نبوی "لا حتی تذوق عسیلته ویذوق عسیلتك" سے ثابت ہے۔ یہ بات حضور سید عالم ﷺ نے حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطلقہ عورت سے فرمائی تھی جب انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن زبیر کے نکاح میں آنے کے بعد بلا جماع شوہر اول کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ تو آپ نے فرمایا: نہیں یہاں تک کہ تم اس کا مزہ چکھ لو اور وہ تمھارا مزہ چکھ لے۔

فتح القدیر میں ہے: (والشرط الایلاج) بقید کونه عن قرّة نفسه وان کان ملفوفا بخرقة اذا کان یجد لذة حرارة المحل اھ.

حلالہ صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ شوہر آلۂ تناسل کی قوت سے دخول کرے اگرچہ اس پر کپڑا لپیٹ کر کے دخول کرے جب کہ اسے فرج کی حرارت محسوس ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(فتح القدیر ص ١٦٠ ج ٤ فصل فیما تحل به المطلقة کتاب الطلاق)

کیا قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر عہد کرنا قسم ہے؟

زید نے ہندہ سے کہا کہ تم کو بکر سے کلام نہیں کرنا ہے اور یہ بات زید نے ہندہ سے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم دلائی کہ تم کو بکر سے کلام نہیں کرنا ہے اور ہندہ نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم بھی کھائی کہ میں بکر سے کلام نہ کروں گی۔ اس کے باوجود ہندہ نے بکر سے کلام کرنا شروع کر دیا۔ اس صورت میں ہندہ پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

"ہندہ نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی" اس جملے میں قسم سے سائل کی مراد کیا ہے اگر وہ قرآن پاک پر ہاتھ رکھنے کو قسم سمجھتا ہے اور اسی کو قسم کہتا ہے تو غلط ہے، یہ شرعاً قسم نہیں لہذا نہ قسم ٹوٹی اور نہ اس کا کفارہ واجب ہوا۔

بہار شریعت میں ہے:

"اس زمانے میں تغلیظ یا حلف کی ایک صورت بہت زیادہ مشہور ہے کہ قرآن مجید ہاتھ میں دے کر کچھ الفاظ کہلواتے ہیں مثلاً اسے قرآن کی مار پڑے، ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو، شفاعت نصیب نہ ہو، یہ سب باتیں خلاف شرع ہیں، مصحف شریف ہاتھ میں اٹھانا حلف شرعی نہیں"

(بہار شریعت حصہ ۱۳/ ص ۱۹/ ۲۰ حلف کا بیان)

اور اگر قسم سے سائل کی مراد کچھ اور ہے تو الفاظ قسم صاف صاف لکھ کر حکم دریافت کرے۔ واللہ اعلم

حالتِ حیض میں طواف وسعی کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۱) ایک عورت نے اعتکاف کی نیت کی اور اعتکاف میں نہ بیٹھ سکی تو اب کیا کرے؟

(۲) حالت حیض میں طواف وسعی کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۳) حرم کعبہ میں بچے کو دودھ پلانا کیسا ہے؟

(۴) نفاس ہر روز رات ہی میں آتا ہے، ایک قطرہ یا دو قطرہ آتا ہے تو کیا دن میں غسل کرکے نماز وغیرہ پڑھ سکتی ہے؟

الجواب

(۱) یہ عورت اعتکاف کی قضا کرے، اگر اعتکاف رمضان مبارک کے عشرہ اخیر کا تھا تو روزے رکھے اور دس دن رات اپنے گھر میں ہی کوئی کمرہ عبادت کے لیے خاص کرکے اس میں بیٹھے اور بلا ضرورت اس سے باہر نہ نکلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. (عالم گیری، ج:۱،ص:۲۱۱، کتاب الصوم، الباب السابع الاعتکاف)

(۲) حالت حیض میں طواف بیت اللہ حرام ہے اور گناہ ہے اس لیے اس سے بچے، ہاں اگر پاکی کی حالت میں طواف کر چکی ہو اور صفا کے پاس سعی کے لیے پہنچی تھی کہ حیض آگیا تو وہ چاہے تو سعی کر سکتی ہے، اور بہتر ہے کہ پاک ہونے تک انتظار کرے جب پاک ہو جائے تب سعی کرے لیکن اگر اسے اندیشہ ہو کہ حرام کی پابندیاں وہ لمبے عرصے تک نہ نبھا سکے گی تو سعی کرکے احرام سے باہر ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عالم گیری، ج:۱، ص: ۳۸، کتاب الطهارة، الباب السادس فی الدماء المختصة بالنساء/ ج:۱، ص:۲۴۷، کتاب المناسك، الباب الثامن الجنايات)

(۳) نہیں، جب تک مکمل طور پر نفاس کا خون آنا بند نہ ہو جائے وہ نماز سے رکی رہے۔ مگر یہ کہ سلسلہ دراز ہو کر چالیس دن سے زیادہ ہو جائے تو اب وہ نفاس کا نہیں بیماری کا خون مانا جائے گا، اور بیماری کا خون کا حکم یہ ہے کہ وہ تازہ وضو کرکے نماز پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عالم گیری، ج:۱، ص: ۳۷-۳۸، کتاب الطهارة، الباب سادس فی الدماء المختصة بالنساء/ شرح وقایه ج:۱، ص: ۱۳۷، کتاب الطهارة، باب الحیض)

تعزیہ کا ڈھانچہ مسجد میں رکھنا حرام اور گناہ ہے؟

ہمارے یہاں کی جامع مسجد دو منزلہ ہے، پھر بھی جمعہ کی نماز میں مسجد تنگ پڑ جاتی ہے، اس پر مزید یہ کہ تعزیہ دار لوگ تعزیہ کا ڈھانچہ محرم گزر جانے کے بعد مسجد کی دوسری منزل پر رکھ دیتے ہیں اور وہ پورے سال اسی جگہ رکھا رہتا ہے۔ وہ ڈھانچہ بھی دو چار نمازیوں کی جگہ گھیر لیتا ہے تو ایسی تنگی کی صورت میں اس ڈھانچے کو مسجد میں رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر اس کی وجہ سے تنگی نہ بھی ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا.

الجواب

تعزیہ کا ڈھانچہ مسجد میں رکھنا حرام و گناہ ہے، چاہے نیچے کی منزل میں رکھیں یا اوپر کی اور مسجد خواہ کشادہ ہو یا تنگ کہ مسجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی ہے۔ مسجد تو عبادت، تلاوت اور ذکر الٰہی کے لیے ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما ھی لذکر اللہ والصلوٰۃ و قراءۃ القرآن.

مساجد تو ذکر الٰہی اور نماز و تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔

(صحیح مسلم شریف، ص:۱۳۸، ج:۱، باب وجوب غسل البول)

پھر شرعاً مجوزہ تعزیہ داری ناجائز ہے تو مسجد کو اس کے کسی غرض کے لیے استعمال کرنا بھی ناجائز ہوگا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کو تعزیہ کے ڈھانچہ سے خالی کریں اور نمازیوں کو وہاں نماز پڑھنے کا موقع دیں اور فوراً ہی اس پر عمل درآمد ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قارئین اور اہلِ قلم حضرات توجہ دیں۔

ماہ نامہ اشرفیہ کے لیے مضامین، مراسلات، خبریں وغیرہ صرف مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس ہی پر ارسال کریں:

ashrafiamonthly@gmail.com

اور دفتری امور سے متعلق میل صرف:

info@aljamiatulashrafia.org

پر ہی ارسال کریں۔

فکری تضاد کی ایک جھلک

ڈاکٹر غلام زرقانی

کل میں اپنے ادارہ کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں غیر معمولی بھیڑ نے مجھے پریشان کردیا۔ قطار در قطار گاڑیوں کی صف لگی تھی اور لوگ ایک ایک انچ آگے بڑھ رہے تھے۔ پٹرول پمپ، ریسٹورانٹ اور ہوٹل میں خریداروں کا ہجوم تھا۔ غذائی اجناس کے بڑے بڑے اسٹوروں میں تا حد نگاہ گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ ایک عجیب وغریب افراتفری، بدحواسی اور اضطراب وبے چینی کی فضا ہر چہار سو طاری تھی۔ جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا، میری حیرت دوچند ہوئی جارہی تھی کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ کبھی احساس ہوتا کہ شاید میں اپنے شہر میں نہیں، بلکہ کسی دوسرے بڑے شہر میں آگیا ہوں، کبھی خیال گزرتا کہ شاید کسی نئے گنجان راستے کا انتخاب کرلیا ہے اور کبھی گمان ہوتا کہ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا ہوں، تاہم جیسے ہی ادارہ کی فلک بوس عمارت کے سامنے میری کار رکی، سارے اوہام واحتمالات کے بادل چھٹ گئے اور ایک بار پھر میں حیرت واستعجاب کے گہرے بادلوں میں کہیں کھو گیا۔

بوجھل قدموں سے دہلیز پر قدم رکھا تو میری ملاقات جناب حسین صومالی سے ہوئی۔ میں نے سلام کرنے کے بعد پوچھا کہ آج شہر میں کیا ہوگیا ہے؟ یہ ہر طرف اژدحام کیوں ہے؟ بازاروں میں معمول سے زیادہ بھیڑ کس لیے ہے؟ وہ میری جانب دیکھ کر مسکرائے اور کہنے لگے کہ شاید آپ نے خبریں نہیں سنی ہیں۔ آج صبح سے ہی ذرائع ابلاغ میں یہ خبر گردش کررہی ہے کہ نصف رات کے کسی حصے میں ”بل“ نامی سمندری طوفان آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہری انتظامیہ کے ذمہ داران اپیلیں کررہے ہیں کہ ساحلی علاقوں میں رہنے والے لوگ اپنے گھر چھوڑ کر محفوظ علاقوں کی طرف کوچ کرجائیں۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ تیز ہواؤں کے جھٹکوں سے بجلی کے کھمبے اور تار متاثر ہوسکتے ہیں، جس سے بہت ممکن ہے کہ بجلی کا تسلسل ٹوٹ جائے اور لوگ اندھیرے میں رہنے پر مجبور ہوں پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کثرت آب سے پانی کے ذخائر آلودہ ہوجائیں اور پائپ کے ذریعہ گھروں تک پہنچنے والا پانی کھانے اور پینے کے لائق نہ رہے۔ اور اس بات کی توقع تو بہت زیادہ ہے کہ سڑکیں زیر آب آجائیں اور آمد ورفت مشکل ہوجائے، اس لیے بہتر ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں رہیں اور باہر نہ نکلیں۔ حسین صومالی نے سلسلہ کلام دراز رکھتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب، یہی وجہ ہے کہ لوگ اس قدر بڑی مقدار میں اشیائے خورد ونوش خرید رہے ہیں کہ بڑے بڑے اسٹوروں پر پینے کے پانی کے بکسے ختم ہوگئے ہیں اور جلد تیار ہونے والے کھانے مشکل سے مل رہے ہیں۔ بجلی گل ہونے کے خوف سے موم بتیاں خریدی جارہی ہیں اور کسی ناگہانی پریشانی کے وقت شہر سے دور جانے کے لیے گاڑیوں میں پٹرول بھرائے جارہے ہیں، غرضیکہ سب لوگ آنے والی بڑی آفت کا سامنا کرنے کے لیے اپنے اپنے طور پر ”پوری تیاریاں“ کررہے ہیں۔

حسین صومالی ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات کررہے تھے اور میں سامنے ہوتے ہوئے بھی لمحہ بہ لمحہ عالم تصورات کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہوئے بہت دور جانکلا۔ اب میری نازک انگلیاں قرآن مقدس کے بوسیدہ اوراق الٹ رہی تھیں اور میں اپنے ماتھے کی آنکھ سے آخرت کی ہولناکیوں، لرزہ خیزیوں اور مصائب وآلام کے حوالے سے اللہ رب العزت کے ذریعہ بیان کردہ واضح بیانات کا مشاہدہ کررہا تھا۔ اور یہ خیال آتے ہی پلکوں کا دامن تربتر ہوگیا کہ موسم کی تبدیلیوں پر گہری نگاہ رکھنے والے ماہرین ایک چھوٹے سے طوفان سے خبردار کریں، تو ہماری تیاریوں کا یہ عالم ہے، جب کہ خالق کائنات نے اس سے بھی کہیں زیادہ بڑے طوفان سے ہمیں خبردار کیا ہے، تاہم ہمارے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اللہ رب العزت نے بہت صاف الفاظ میں

یہ خبر دی ہے کہ وہ بڑی تباہی ایسی ہے کہ فلک بوس پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، سمندر سکھا دیے جائیں گے، ستارے ٹوٹ کر جھڑ پڑیں گے، روئے زمین کی پرتیں الٹ دی جائیں گی، آبادیاں تباہ وبرباد ہوجائیں گی، اونچی اونچی عمارتوں سے لے کر چھوٹی سی کٹیا تک، سب کا نام ونشان مٹ جائے گا، آفتاب آگ برسانے لگے گا اور ماہتاب کی رونق ماند پڑجائے گی۔ ذرا سوچیے تو سہی کہ ہمارے افکار وخیالات کی دنیا میں کس قدر بعد وتضاد ہے؟

اور سنیے کہنے والوں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ ایک طوفان آرہا ہے، جو عارضی مصائب وآلام سے دوچار کرے گا اور صرف جزوی نقصانات کا سرچشمہ ثابت ہوگا، تاہم اللہ رب العزت نے جس بڑے طوفان کی خبر دی ہے، وہ تو دائمی مصائب وآلام اور شدائد وتکالیف کے حوالے سے ہے۔ اس کے باوجود عارضی پریشانیوں سے بچنے کے لیے یہ اہتمام وانصرام اور دائمی مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لیے نہ کوئی لائحۂ عمل، نہ اظہار سنجیدگی ومتانت اور نہ ہی پیشانی پر احساس شرمندگی کے کوئی آثار۔

لگے ہاتھوں یہ بھی سن لیجیے کہ ماہرین موسمیات کی پیش گوئیاں کثرت سے غلط بھی ثابت ہوتی ہیں۔ میرے شہر ہیوسٹن کی مثال لے لیجیے۔ پچھلے دس سالوں میں چار پانچ چھوٹے بڑے سمندری طوفانوں کی آمد کی خبر دی گئی، بلکہ ایک بار تو بڑے پیمانے پر ساحلی علاقوں سے جبراً انخلا بھی کرایا گیا اور کثرت ازدحام کی وجہ سے ہیوسٹن اور ڈیلاس کے درمیان آمد ورفت کی دونوں شاہراہیں صرف شہر سے باہر جانے کے لیے مختص کردی گئیں، لیکن بالکل آخری وقت میں یہ خبر آئی کہ طوفان ساحل سمندر سے ٹکرانے کے بعد کسی ویرانے کی جانب مڑ گیا ہے اور یوں مبینہ مشکلات ٹل گئیں۔ اور دوسری طرف جس بڑی تباہی سے اللہ رب العزت نے خبردار کیا ہے، اس کی نہ ہولناکیوں کے بارے میں شک ہے، نہ لرزہ خیزیوں کے حوالے سے کوئی تردد، تاہم اس کے باوجود اس سے تحفظ کے لیے کوئی سنجیدہ اقدام نہیں!

اور یہ بات تو مجھے ضرور کہنا ہے کہ عصر حاضر کے ترقی یافتہ دور میں لوگ یہ اعتراض کرتے نہیں تھکتے کہ علمائے کرام، واعظین اور خطبائے اسلام عذاب آخرت سے ڈرانے کی باتیں کرتے ہیں اور ہمیں خوفزدہ کردیتے ہیں۔ ذرا غیر جانبداری کے ساتھ تصور کیجیے کہ ماہرین موسمیات بھی تو آنے والے طوفان سے لوگوں کو خوفزدہ کرتے ہیں اور معاشرے میں وحشت پھیلا دیتے ہیں، تاہم لوگ ان کی مدح وستائش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک بڑی آفت سے قبل ہمیں خبردار کرکے نقصانات سے بچا لیا ہے۔ مجھے کہنے دیا جائے کہ مذہبی علمائے کرام بھی تو اس سے کہیں زیادہ بڑی آفت، عظیم ہلاکت خیزی اور عالمی بربادی (قیامت) کے آنے کی خبریں دیتے ہیں، پھر اسے مذموم کیوں سمجھا جاتا ہے؟ بلکہ تقاضائے عدل وانصاف تو یہ ہے کہ ماہرین موسمیات چھوٹی تباہی کی خبر دے رہے ہیں، اس لیے ان کی ستائش کسی قدر کم ہو اور علمائے کرام بڑی تباہی سے خبردار کررہے ہیں، اس لیے ان کی ستائش کہیں زیادہ کی جائے۔

صاحبو! فکری تضاد کی ایک جھلک آپ کے سامنے ہے۔ ہوسکے تو رات کی تنہائی میں اپنے ضمیر سے پوچھیے گا کہ یہ مفروضہ کس حد تک ہمارے اپنے احساسات کی ترجمانی کررہا ہے؟ خیال رہے کہ ضمیر کی گہرائی سے آنے والی "صدائے نحیف" کو طاقت سے دبانے کی کوشش نہ کیجیے گا، ورنہ حرف صداقت تک پہنچنے میں کامیابی نہیں ملے گی۔ پھر اگر کسی بھی زاویے سے یہ محسوس ہو کہ متذکرہ گفتگو ہمارے اپنے حالات کی عکاسی کررہی ہے، تو پھر اصلاح افکار وخیالات کے لیے رمضان المبارک کی ساعتیں بہت ہی اہمیت رکھتی ہیں کہ اس ماہ مقدس میں پروردگار حقیقی کی رحمتیں، شفقتیں اور عنایتیں اپنے بندوں پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستی ہیں۔ اٹھیے اور قرآن مقدس کے صفحات الٹیے اور بلا ریب آنے والی سب سے بڑی تباہی وبربادی سے محفوظ رہنے کے لیے "سنجیدہ انتظامات" کیجیے، "توشہ آخرت" جمع کیجیے اور شب وروز "اعمال حسنہ" کے مضبوط حصار میں رہنے کی عادت بنا لیجیے۔

☆...☆...☆...☆...☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کیجیے

دار العلوم گلشن فاطمہ

بلڈنگ اے. بی. ایم. پبلک اسکول

محلہ ٹھاکورام بلراج، مراد آباد (یوپی)

نیرنگیِ زمانہ

عجب تماشہ ہے بے وجہ کا

محمد عابد چشتی ثقافی

(بیوی کے ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر ہم بستری کو عصمت دری کے خانے میں رکھنے کی حمایت کرنے والوں کے لیے ایک چشم کشا تحریر)

ہمارے ملک ہندوستان کے طویل تاریخی، سماجی اور ماحولیاتی تناظر میں دیکھا جائے تو اس بات سے کوئی بھی عقل مند انکار نہیں کر سکتا ہے کہ شادی اور نکاح کے رشتہ کو ہمیشہ یہاں پر مقدس اور با عزت سمجھا جاتا رہا ہے ہندوستانی تہذیب و ثقافت کے پس منظر میں شادی اور بیاہ سے صرف مرد و عورت کی جنسی اور حیوانی خواہشات کی تکمیل کبھی مقصود اصلی نہیں رہی ہے ورنہ اس کے لیے خواہ مخواہ زندگی کا اتنا پر خطر اور الجھنوں سے بھرپور فیصلہ لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس ضرورت کی تکمیل کے بہت سے ذرائع ہر دور میں رہے ہیں بلکہ شادی کا مقصد مرد و عورت کے درمیان رواداری، برداشت، صبر، خیر خواہی، ہمدردی جیسے جذبات کو پروان چڑھانا ہے تاکہ انسان اپنے زندگی کے مختلف مراحل میں اعتدال کے ساتھ چلتا رہے اور اپنی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز میں ایک سچا جیون ساتھی ہر لمحہ اس پر تسلی کا ہاتھ رکھے رہے۔

ازدواجی زندگی کا یہ منظر کتنا پر کیف اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے جب شوہر کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوتا ہے تو بیوی ہر چیز چھوڑ کر اپنے شوہر کو منانے کے لیے ہر جتن کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور جب بیوی کسی بات پر اپنے شوہر سے روٹھ جاتی ہے تو شوہر اپنے طریقے سے منانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے جس سے یہ احساس دونوں کے اندر قوت پکڑ جاتا ہے کہ اس دنیا میں آخر کوئی تو ہے جسے ہماری ناراضگی کی فکر ہے کوئی تو ہے جو ہمارے لیے بے چین ہوتا ہے ورنہ اس دنیا میں آخر کون کس کا ہوتا ہے ہر طرف تو خود غرضی کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور یہی احساس ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے بہت ضروری ہے اور اسی کے حصول کے لیے لوگ شادیاں بھی کرتے ہیں مگر کیا کہیے کہ مغربی طرز حیات کی راہ پر چلتے ہوئے اب ہمارے یہاں یہ سب مناظر فرسودہ خیالی کے زمرے میں ڈالے جا رہے ہیں اور اب یہاں بھی اسی خود غرضی کو فروغ دینے کی غیر شعوری کوشش کی جا رہی ہے جس نے بری طرح سے مغربی ممالک کو نفسیاتی بیماریوں کا اسیر بنا کر انہیں نیند کی تین تین گولیاں کھا کر زندگی گزارنے پر مجبور کر رکھا ہے۔

ہم بات کر رہے ہیں " شادی کے بعد اپنی بیوی سے اس کی مرضی کے خلاف تعلقات بنانے کی " اس مسئلہ کو ملکی سطح پر اٹھایا جا رہا ہے کہ کیا بیوی کی رضامندی کے بغیر شوہر کا ہمبستری کرنا عصمت دری یعنی زناکاری کے زمرے میں آئے گا یا نہیں ؟اور کیا ایسا کرنے کی پاداش میں شوہر اسی سزا کا مستحق ہوگا یا نہیں جو ایک زانی کو دی جاتی ہے جب کہ وہ زبردستی کسی ایسی لڑکی سے جسمانی تعلقات بنائے جس سے اس کی شادی نہیں ہوئی ہے ؟؟

اس پورے معاملہ میں دل چسپ بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کا ایک طبقہ اس موقف کی حمایت اور وکالت میں پورے جوش و خروش، لاؤ لشکر اور کیل کانٹے سے لیث ہو کر میدان میں اتر آیا ہے اور یہ مطالبہ ان کی طرف سے ہو رہا ہے کہ بیوی کے ساتھ بلا رضامندی کے تعلقات بنانے کو ریپ کی فہرست میں شامل کیا جائے اس لیے کہ عورت کو اپنے جسم کا پورا اختیار ہے شادی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے

استاد جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف
abid.chishti@rediffmail.com

کہ شوہر نے اس کے جسمانی حقوق کو خرید لیا ہے اور وہ جیسے چاہے اور جب چاہے اس کا استعمال کرے اس کی مرضی کا خیال رکھنا ضروری ہے، خیر اس سے پہلے کہ ہم اس مسئلہ پر مزید گفتگو کریں ہم اتنا اور بتا دینا چاہتے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر کئی ممالک ایسے ہیں جہاں یہی قانون ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کی مرضی کے خلاف تعلقات بنانے کو زنا اور عصمت دری تصور کیا جاتا ہے اور معاملہ سامنے آنے پر یہ مضحکہ خیز خبریں شائع ہوتی ہیں " فلاں نے کی اپنی بیوی کی عصمت دری اور جرم ثابت ہونے پر شوہر کو انہیں تعزیرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ایک زانی کے ساتھ مختص ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ابتدائی سطور میں عرض کیا کہ شادی کا مقصد صرف جسمانی لطف اندوزی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد رواداری، برداشت اور ایک دوسرے کے لیے قربانی کے جذبات پیدا کرنا ہے یہ شادی کے اہم مقاصد ہیں جن کی تکمیل مرد و عورت دونوں سے مل کر ہوتی ہے اگر ان دونوں میں سے ایک بھی خود غرضی پر آمادہ ہو جائے تو پھر زندگی اجیرن اور جہنم نما بن جاتی ہے جس کا صحیح ادراک مغربی ممالک میں ہونے والی شادیوں سے کیا جا سکتا ہے سب سے پہلی بات تو یہ کہ وہاں لڑکے اور لڑکیاں جلدی شادی کرتے نہیں ہیں اور وقتی جذبات یا محبت کی وجہ سے شادی ہوتی بھی ہے تو بہت جلد ان رشتوں میں درار پڑ جاتی ہے اور آخر کار تفریق کی نوبت آجاتی ہے اس کی سب سے اہم وجہ میاں بیوی کے درمیان قربانی اور رواداری جیسے عناصر کا فقدان ہے وہاں کی عورتیں صرف اس لیے اپنے شوہر سے طلاق لے لیتی ہیں کہ رات میں شوہر کو خراٹے آتے ہیں جو ان کی نیند میں خلل انداز ہیں۔

اب آپ خود ہی بتائیے کہ جس تہذیب میں اپنے شوہر کی اتنی سی چیز برداشت کرنے کی گنجائش نہ ہو کیا وہ تہذیب تقلید کے لائق ہے ؟ یہی وجہ ہے کہ خاندانی نظام کی جو بے ترتیبی مغربی ممالک میں دیکھنے کو ملے گی وہ اور کہیں نظر نہیں آئے گی۔

اب اسی قانون کو لے لیجیے کہ اگر شوہر کی خواہش کسی دن بیدار ہو مگر بیوی کی مرضی کے خلاف اس سے ہم بستر ہو جائے تو اسے ریپ کی منزل میں رکھ دیا گیا ہے، ہم صرف اتنا پوچھنا چاہتے ہیں ان لوگوں سے جو اس قانون کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں کہ کیا شوہر اپنی بیوی سے اتنی رواداری یا برداشت کا مستحق نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف اسے محبت سے گلے لگائے یا اپنی خواہش پوری کرلے ؟ کیا اس دن آپ شوہر کو یہ مشورہ دیں گے کہ وہ اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے طوائف خانہ چلا جائے مگر گھر میں موجود اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگائے ؟ نیز اگر بیوی اپنے شوہر کی اتنی سی بات برداشت نہیں کر سکتی تو پھر جس دن بیوی کی خواہش اسے شوہر سے ملاقات پر مجبور کرے تو کیا آپ اس خود غرضانہ ذہنیت کی حمایت کریں گے کہ شوہر کی اگر مرضی نہ ہو تو وہ اپنی بیوی کے جذبات کی قدر نہ کر کے اسے اپنی باہوں سے دور رکھے ؟ کیا اس طرح میاں بیوی کے اس رشتے کی ڈور مضبوطی سے قائم رہ سکتی ہے ؟ ؟ ایں خیال است و خام است۔

ہم اس قانون کی حمایت کرتے وقت یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ شوہر کوئی اجنبی مرد نہیں ہے جو زبردستی کسی لڑکی کے جسم سے کھیلنا چاہتا ہے اور اپنا مطلب نکالنے کے بعد وہ اس سے لاتعلق ہو جائے گا بلکہ وہ شوہر ہے جس نے سماج کی نظروں کے سامنے ایک انجان لڑکی کو زندگی بھر نباہنے کا عہد کیا ہے، جس نے ایک اجنبی لڑکی کے دکھ، تکلیف، مصیبت، پریشانی، خوشی، راحت ہر مرحلہ میں برابر کے شریک ہونے کی ذمہ داری قبول کی ہے، جس نے زندگی کی آخری سانس تک وفاداری کی قسمیں کھائیں ہیں کیا عصمت دری کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں ؟

عصمت دری ایک گھناؤنا جرم ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے عصمت دری کی وجہ سے نہ صرف ایک فرد کی زندگی متاثر ہوتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے پورا خاندان ذہنی اور فکری طور پر زبردست تناؤ کا شکار اور ایسے صدمے سے دوچار ہوتا ہے جس سے ابرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے عصمت دری کرنے والا درندہ صفت ہوتا ہے جو جیتے جی ایک ہنستی کھیلتی زندگی سے جینے کی امنگ چھین لیتا ہے ایسے افراد کو سماج میں جینے کا کوئی حق نہیں ہے ان کے لیے تعزیرات ہند کے تحت جتنے سخت قوانین بنائیں جائیں کم ہیں۔ مگر بیوی کے ساتھ اس کی مرضی نہ ہونے کی صورت میں تعلقات بنانے کو عصمت دری سے تعبیر کرنا انتہائی درجہ کی بے عقلی اور بے وقوفی ہے اس لیے کہ اس معاملہ کا ان نتائج سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ہے جو عصمت دری کے بعد پیدا ہوتے ہیں پھر بھی اسے عصمت دری کہنا کہاں کی عقل مندی ہے ؟

................باقی ص:۳۵ پر

سائنسی تحقیق

تخلیقِ انسان اور انسانی جسم

اسلام اور سائنس کی نظر میں

مہتاب پیامی

ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف درج ذیل آیت مبارکہ میں اشارہ کیا ہے:

(وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ)

"اور ہر جاندار چیز کو پانی سے زندگی بخشی، کیا پھر بھی یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کی خلاقی) پر ایمان نہیں لاتے؟"

(وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى)

" اور اوپر سے پانی برسایا اور اس بارش سے پودوں میں سے جوڑے بنائے جو ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں"[۲]

جدید سائنس نے آج اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ "ہر جاندار شے میں پانی کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اور کسی بھی جاندار کے جسم کی ساخت کا وزن ۵۰ سے ۹۰ فی صد تک پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مورس بوکائیے لکھتے ہیں کہ "ان آیات کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر زندہ چیز پانی سے بنائی گئی ہے (جو اس چیز کا لازمی عنصر ہے) اور دوسرا یہ کہ ہر جاندار شے کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ یہ دونوں امکانی مفہوم سائنسی معلومات سے کلی طور پر مطابقت رکھتے ہیں' حیات کی ابتدائی الحقیقت پانی ہے اور پانی تمام جاندار خلیات کا جزو اعظم ہے۔ پانی کے بغیر زندگی ممکن نہیں ہے۔ جب کسی دوسرے سیارے پر حیات کے امکان پر بحث کی جاتی ہے تو پہلا سوال ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ کیا وہاں حیات کو قائم رکھنے کے لیے کافی مقدار میں پانی موجود ہے؟

موجودہ معلومات ہمیں اس بات پر غور کرنے کی طرف مائل کرتی ہیں کہ قدیم ترین جاندار شے کا تعلق یقیناً عالم نباتات سے ہو گا' سمندری کائی کا سراغ ماقبل کیمبرین دور سے ملا ہے۔ یعنی اس زمانہ سے جو دریافت شدہ قدیم ترین زمانہ ہے۔ نامیاتی اشیا جن کا تعلق عالم حیوانی سے ہے 'غالباً کسی قدر بعد میں ظہور پذیر ہوئیں' ان کا وجود بھی سمندر سے ہی ہوا۔

یہاں جس لفظ کا ترجمہ "پانی" کیا گیا ہے وہ "ماء" ہے جس سے مراد آسمان سے برسا ہوا پانی اور سمندری پانی دونوں ہو سکتے ہیں۔ ماء کا لفظ یہاں دوسرے معنوں میں ایک سیال شے (بغیر کسی مزید اشارے کے کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی) یہ صراحت کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ تمام نباتاتی زندگی کی تشکیل کی بنیاد کیا ہے؟

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

(وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ)

"اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا"

لہٰذا خواہ اس سے عمومی طور پر زندگی کی ابتدا سے بحث کی جائے یا وہ عنصر مراد ہو جو پودوں کو مٹی میں جنم دیتا ہے' یا حیوانات کا تخم سمجھا جائے' قرآن میں ذکر کردہ حیات کی ابتدا کے تمام بیانات جدید سائنسی معلومات سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں۔ زندگی کی ابتدا سے متعلق جو نظریات نزول قرآن کے وقت عام طور پر رائج تھے ان میں سے کوئی بھی قرآن کے متن میں مذکور نہیں ہے۔

زندگی میں انسان کے پہلا قدم رکھنے کی کہانی:

قرآن کی بہت سی سورتوں میں اللہ نے ہماری توجہ تخلیق انسان کی جانب مبذول کرائی ہے۔ وہ لوگوں کو اس تخلیق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ سورہ الانفطار میں ارشاد ہوتا ہے:

" اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا۔ تجھے نک سک سے درست کیا۔ تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا"(الانفطار:۶-۸)

سورۃ یٰسں میں انسان کو خبردار کرتے ہوئے فرمان الٰہی جاری ہوتا ہے:

"کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے، کہتا ہے کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟ اس سے کہو انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے"۔(یٰسں:۷۷-۷۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کی تخلیق اور پیدائش کے ان مراحل کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو ماں کے رحم میں حمل ٹھہرنے کے بعد وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المؤمنون میں فرماتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ.

" اور ہم نے انسان کو مٹی کے سَت سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا کر پیدا کر دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے، اللہ جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے"(۱۲:۲۳-۱۴)

آیئے اب جدید سائنس کی روشنی میں یہ معلوم کرتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بچہ کس طرح پرورش پاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت کا جلوہ کس قدر جلوہ گر ہے۔ نطفہ جو ایک نئے انسان کی تخلیق کی جانب پہلا قدم ہے، مرد کے جسم کے "باہر" پیدا ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سپرم یا مادہ منویہ کا پیدا ہونا صرف اس وقت ممکن ہوتا ہے جب جسم کے عام درجہ حرارت سے دو درجے زیادہ سرد ماحول میسر ہو۔ درجہ حرارت کو اس سطح پر قائم رکھنے کے لیے خصیوں کے اوپر ایک خاص قسم کی کھال ہوتی ہے۔ یہ سرد موسم میں سکڑتی اور گرم موسم میں پھیلتی ہے جس سے درجہ حرارت غیر متغیّر ہو جاتا ہے۔ کیا مرد اس نازک توازن کو خود قائم رکھتا ہے اور اس میں باقاعدگی وہ خود لاتا ہے؟ یقیناً نہیں... مرد کو تو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ تو پھر اس چیز کا انتظام کس نے کیا؟ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ذات باری تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

نطفہ خصیوں میں ۱۰۰۰ فی منٹ کی شرح سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک اوسط درجے کے آدمی کا ایک بار خارج شدہ مادہ تولید اپنے اندر تقریباً ۳۰ تا ۴۰ کروڑ سپرم رکھتا ہے جس سے تیس سے چالیس کروڑ عورتوں کے حمل واقع ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کی قدرت کا کرشمہ یہ ہے کہ عموماً ایک ہی سپرم کو عورت کے بیضہ دان کے ساتھ ملاپ کا موقع دیا جاتا ہے۔ سپرم کی لمبائی ۰.۰۰۴ سے ۰.۰۰۵ ملی میٹر جب کہ چوڑائی ۰.۰۰۲ سے ۰.۰۰۳ ملی میٹر تک ہوتی ہے۔ سپرم کو عورت کے بیضہ تک پہنچنے کے لیے اسے ایک خاص شکل دی جاتی ہے۔ یہ سپرم کا ایک ایسا سفر ہوتا ہے جو یوں طے ہوتا ہے جیسے وہ اس جگہ سے "واقف" ہے جہاں اسے پہنچنا ہے۔ سپرم کا ایک سر، ایک گردن اور ایک دم ہوتی ہے۔ اس کی دم رحم مادر میں داخل ہونے میں مچھلی کی مانند اس کی مدد کرتی ہے۔ اس کے سر والے حصے میں بچے کے جنینی کوڈ کا ایک حصہ ہوتا ہے اسے ایک خاص حفاظتی ڈھال سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ اس ڈھال کا کام اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب نطفہ رحم مادر میں داخل ہونے والے راستے پر پہنچتا ہے۔ یہاں کا ماحول بڑا تیزابی ہوتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ سپرم کو حفاظتی ڈھال سے ڈھانپنے والا "کوئی" ہے جسے اس تیزاب کا علم ہے (اس تیزابی ماحول کا مقصد یہ ہے کہ ماں کو خوردبینی جرثوموں سے تحفظ دیا جائے)۔

نطفے یا منی کے اندر ان سیال مادوں میں شکر شامل ہوتی ہے جو اسے مطلوبہ توانائی فراہم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بنیادی ترکیب میں کئی ایک کام کرنے کے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ رحم مادر کے داخلی راستے کے تیزابوں کو بے اثر بناتی ہے اور سپرم کو حرکت دینے کے لیے درکار پھسلن کو برقرار رکھتی ہے۔ (یہاں ہم پھر دیکھتے ہیں کہ دو مختلف اور آزاد چیزیں ایک دوسرے کے مطابق تخلیق کی گئی

ہیں)۔ منی کے جرثومے ماں کے جسم کے اندر ایک مشکل سفر طے کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ بیضے تک پہنچ جاتے ہیں۔

بیضہ:

گو سپرم کا نمونہ بیضہ کے مطابق تیار کیا جاتا ہے مگر دوسری طرف اسے بالکل مختلف ماحول میں زندگی کے بیج کے طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ عورت اس بات سے جس وقت بے خبر ہوتی ہے اس وقت سب سے پہلے ایک بیضہ جسے بیضہ دان میں بلوغت تک پہنچایا جاتا ہے، عورت کی شکمی جوف میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر رحم مادر کی فیلوپی نالیوں کے ذریعے جو دو بازوؤں کی شکل میں رحم مادر کے کنارے پر موجود ہوتی ہیں اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بیضہ فیلوپی نالیوں کے اندر ایک باریک سے بال (Cilia) کی مدد سے حرکت شروع کر دیتا ہے۔ یہ بیضہ نمک کے ذرّے کے نصف کے برابر ہوتا ہے۔

وہ جگہ جہاں بیضہ اور نطفہ ملتے ہیں اسے فیلوپی نالی کہتے ہیں۔ یہاں یہ بیضہ ایک خاص قسم کا سیال مادہ یا رطوبت خارج کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس رطوبت کی مدد سے منی کے جرثومے یا سپرم بیضہ کے محل وقوع کا پتہ لگا لیتے ہیں، ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ بیضہ "رطوبت خارج کرنا شروع کر دیتا ہے" تو ہم انسان کے بارے میں یا ایک باشعور وجود کے بارے میں بات نہیں کر رہے ہوتے۔ اس بات کی وضاحت اس طرح کرنا یقیناً غلط ہوگا کہ اتفاقاً ایک خوردبینی لحمیے کی کمیت اس قسم کا کام از خود کر لیتی ہے اور پھر ایک کیمیائی مرکب تیار کرتی ہے جس میں رطوبت بھی موجود ہو جو منی کے جرثوموں کو خود ہی اپنی طرف کھینچ لے۔ یقیناً یہ کسی عظیم ہستی کی صناعی کا کرشمہ ہے۔

مختصر یہ کہ جسم میں تولید کا نظام اس طرح بنایا گیا ہے تاکہ بیضہ اور نطفہ یکجا کیے جاسکیں... اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت کا تولیدی نظام منی کے جرثوموں کی ضروریات کے مطابق بنایا گیا ہے اور یہ جرثومے عورت کے جسم کے اندر کے ماحول کی ضرورتوں کے مطابق تخلیق کیے جاتے ہیں۔ سپرم اور بیضہ کے یکجا ہونے کی خبر اللہ تعالٰی نے درج ذیل آیت کریمہ میں دی ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا.

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا" (الدھر، ۱-۲:۷۶)

نطفہ اور بیضہ کا ملاپ:

جب وہ سپرم، جسے انڈے کو بارور کرنا ہوتا ہے، بیضہ کے قریب پہنچتا ہے تو انڈا ایک بار پھر ایک خاص رطوبت خارج کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے جسے سپرم کے لیے بطور خاص تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سپرم کے سر کی حفاظتی ڈھال کو حل کر دیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں سپرم کے سر کے کنارے پر موجود خامروں کی مُحلل تھیلیوں کے منہ کھول دیے جاتے ہیں جو بیضہ کے لیے بطور خاص بنائی گئی ہیں۔ جب سپرم بیضہ تک پہنچتا ہے تو یہ خامرے بیضہ کی جھلی میں سوراخ کر دیتے ہیں تاکہ سپرم اندر داخل ہوسکے۔ بیضہ کے گرد موجود منی کے جرثومے اندر داخل ہونے کے لیے مقابلہ شروع کر دیتے ہیں مگر عموماً صرف ایک سپرم بیضہ کو بارور کرتا ہے۔

جب ایک بیضہ ایک جرثومے کو اندر داخل ہونے کی اجازت دے دیتا ہے تو اس بات کا امکان موجود ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا جرثومہ بھی اندر داخل ہو جائے مگر ایسا عموماً ہوتا نہیں ہے۔ اس کا سبب وہ برقیاتی میدان ہے جو بیضے کے گرد بن جاتا ہے۔ جرثومہ (+) مثبت چارج کا حامل ہوتا ہے۔ جب کہ انڈے کے اردگرد کا علاقہ (-) منفی طور پر چارج ہوتا ہے چنانچہ جونہی پہلا جرثومہ بیضہ کے اندر داخل ہوتا ہے تو بیضہ کا (-) منفی چارج 'مثبت چارج (+) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ بیضہ جس کا وہی برقیاتی چارج ہے جو بیرونی منی کے جرثومے کا ہے، تو یہ ایک دوسرے کو پرے دھکیلنا شروع کر دیتے ہیں اور نتیجتاً کوئی دوسرا جرثومہ بیضہ کے اندر داخل نہیں ہو پاتا۔

آخری بات یہ ہے کہ منی میں مرد کے ڈی این اے اور عورت کے ڈی این اے بیضہ میں یکجا ہو جاتے ہیں۔ اب یہ پہلا بیج ہے، ایک نئے انسان کا پہلا خلیہ جو رحم مادر میں ہے جسے جفتہ

(Zygote) کہتے ہیں۔

رحم مادر میں چمٹا ہوا جمے ہوئے خون کا لوتھڑا:

جب مرد کا سپرم عورت کے بیضہ کے ساتھ ملتا ہے تو "جفتہ" پیدا ہوتا ہے جس سے متوقع بچہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ واحد خلیہ جو حیاتیات میں "جفتہ" کہلاتا ہے، فوراً تقسیم ہو کر نشوونما پانے لگتا ہے اور بالآخر "گوشت" بن جاتا ہے۔ یہ جفتہ اپنی نشوونما کی مدت خلا میں نہیں گزارتا۔ یہ رحم مادر سے ان جڑوں کی مانند چمٹ جاتا ہے جو اپنی بیلوں کے ذریعے زمین سے پیوست رہتی ہیں۔ اس بندھن کے ذریعے جفتہ ماں کے جسم سے وہ مادے حاصل کر سکتا ہے جو اس کی نشوونما کے لیے لازمی ہوتے ہیں۔ جنین کے اس طرح چمٹ جانے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر کیا ہے۔ مثلاً:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ " اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا (اور) انسان کو (جمے ہوئے) خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا "۔ (العلق۔۱-۲)

عربی زبان میں لفظ "علقہ یعنی خون کے لوتھڑے" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی چیز جو کسی جگہ سے چمٹ جائے۔ اصطلاحاً اس لفظ کو وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں چوسنے کے لیے جسم کے ساتھ جونکیں چمٹ جائیں۔ رحم مادر کی دیوار کے ساتھ جفتے کے چمٹنے اور اس سے اس کے پرورش پانے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور لفظ نہیں ہو سکتا تھا۔ رحم مادر سے پوری طرح چمٹ جانے کے بعد جفتہ کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ اس اثنا میں رحم مادر ایک ایسے سیال مادے سے بھر جاتا ہے جسے "غلافِ جنین سیال مادہ" کہتے ہیں جو جفتے کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اس غلاف جنین سیال مادے کا سب سے اہم کام یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے اندر موجود بچے کو باہر کی ضربوں اور چوٹوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت کریمہ میں کیا ہے۔

یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ.

" وہ تمہیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں، تین تاریک پردوں میں، ایک کے بعد دوسری شکل دیتے ہوئے پیدا کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ (ان صفات کا) تمھارا پروردگار، بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پھر تم کہاں سے پھیر دیے جاتے ہو؟" (۳۹-۶)

(تاریک پردوں کا ذکر آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا)

اس اثنا میں وہ جنین جو اس سے قبل جیلی کی مانند نظر آتا تھا وقت کے ساتھ ساتھ ایک اور شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اپنی ابتدائی نرم ساخت میں، سخت ہڈیاں بننی شروع ہو جاتی ہیں جو جسم کو سیدھا کھڑا ہونے کے قابل بناتی ہیں۔ وہ خلیے جو ابتدا میں بالکل عام سے تھے اب خاص بن جاتے ہیں۔ کچھ میں ہلکے حساس آنکھ کے خلیے متشکل ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کے ایسے خلیے تشکیل پاتے ہیں جو سردی گرمی اور درد کے مقابلے میں حساس ہوتے ہیں۔ اور کچھ خلیے آوازوں کی لہروں سے بڑے حساس ہوتے ہیں۔ کیا یہ سارا فرق ان خلیوں میں خود بخود پیدا ہو گیا ہے؟ کیا وہ یہ فیصلہ خود کرتے ہیں کہ سب سے پہلے انسانی دل بنے یا انسانی آنکھ اور پھر وہ یہ ناقابل یقین کام خود مکمل کرتے ہیں؟ دوسری طرف سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان مقاصد کے لیے ان کو موزوں طور پر تخلیق کیا گیا ہے؟ عقل و دانائی تو پکار پکار کر کہے گی کہ ان کا کوئی خالق یقیناً ہے۔

جب جنین تخلیق کے مراحل پورے کر چکتا ہے تب اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور تخلیق کی تکمیل رحم مادر میں نطفہ قرار پانے کے بعد ایک سو بیس دن میں مکمل ہوتی ہے 'جنین میں روح پھونکے جانے سے وہ ایک دوسری مخلوق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حرکت کرنے اور آوازوں کو سننے پر قادر ہو جاتا ہے اور اس کا دل برابر دھڑکنے لگتا ہے پھر وہ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ اب یہ بچہ اپنے آغاز کے مقابلے میں ۱۰۰ ملین بڑا اور ۶ ملین بھاری ہوتا ہے 'اسی جانب قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے:

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ.

"پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنایا 'لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے بابرکت ہے" (المومنون۔ ۲۳:۱۴)

یہ تھی زندگی میں ہمارا پہلا قدم رکھنے کی کہانی۔ اس میں دوسرے نامیاتی اجسام کا کوئی ذکر شامل نہ تھا۔ ایک انسان کے لیے اس سے زیادہ اہم بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اس قدر حیران کن تخلیق کے مقصد کی تلاش کرے؟ یہ کس قدر بے وزن اور غیر منطقی

بات لگتی ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ یہ سارے کے سارے پیچیدہ کام "اپنی مرضی اور ارادے سے "ظہور پذیر ہو گئے۔ کسی میں اتنی قوت نہیں کہ اپنے آپ کو تخلیق کرلے یا کسی دوسرے انسان یا شے کو تخلیق کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس سے قبل جن واقعات کا ذکر ہو اان میں ایک ایک لمحہ، ایک ایک سیکنڈ اور ایک ایک مرحلہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجاً ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ط وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾

"اللہ نے تمہیں مٹی سے، پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنایا۔ جو بھی مادہ حاملہ ہوتی یا بچہ جنتی ہے تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور کوئی بڑی عمر والا جو عمر دیا جائے یا اس کی عمر کم کی جائے تو یہ سب کچھ کتاب میں درج ہے۔ اللہ کے لیے یہ بالکل آسان بات ہے"(فاطر۔۳۵-۱۱)

ہمارا جسم جو صرف پانی کے ایک حقیر قطرے سے بننا شروع ہوا ایک مکمل انسان بن جاتا ہے۔ جس میں کئی ملین نازک توازنات ہوتے ہیں گو ہم اس بات سے باخبر نہیں ہیں مگر ہمارے جسموں میں نہایت پیچیدہ اور نازک نظام کام کر رہے ہیں جن کی مدد سے ہم زندہ رہتے ہیں۔ یہ تمام نظام انسان کے واحد مالک، خالق اور آقا، اللہ نے بنائے ہیں اور وہی ان کو چلا رہا ہے۔

جنس کی شناخت:

بچے کی جنس کا انحصار مرد کی منی یا سپرم پر ہوتا ہے، عورت کے بیضہ پر نہیں۔ مرد کے ایک جرثومے کے اندر ۲۳ کروموسومز ہوتے ہیں۔ اسی طرح عورت کے ایک بیضے کے اندر بھی ۲۳ کروموسومز ہوتے ہیں۔ جب جرثومے اور بیضہ کا ملاپ ہوتا ہے تو یہ سب جرثومے جوڑوں کی شکل میں مل جاتے ہیں۔ اس طرح کل ۲۳ جوڑے بن جاتے ہیں یعنی کل کروموسومز کی تعداد ۴۶ ہوتی ہے۔ ان میں سے ۲۲ جوڑے غیر جنسی ہوتے ہیں اور ان کو آٹوسوم (Autosome) کہا جاتا ہے۔ جب کہ ۲۳ واں جوڑا جنسی جوڑا ہوتا ہے۔ اور یہی جوڑا جنین کی جنس کا تعین کرتا ہے کہ وہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ مرد کے جرثومے کے اندر دو اقسام کے کروموسومز تشکیل پاتے ہیں۔ جن کو ایکس 'X' یا وائی 'Y' کہا جاتا ہے۔ مگر عورت کے بیضہ کے اندر تمام کروموسومز 'X' نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کروموسومز کو یہ نام اِن حروف سے مشابہت کی بنا پر دیئے گئے ہیں۔ وائی 'Y' "کروموسوم میں مذکر جینز ہوتے ہیں جب کہ ایکس "X" کروموسوم میں مونث جینز ہوتے ہیں۔

انسانی بچے کی تخلیق کی ابتدا ان کروموسومز کے آپس میں ملاپ سے شروع ہوتی ہے۔ جب کہ جنس کا تعین ۲۳ ویں جوڑے پر ہوتا ہے۔ اگر ۲۳ واں جوڑا "XX" ہے تو جنم لینے والا بچہ لڑکی ہو گا اور اگر یہ جوڑا "XY" ہے تو جنم لینے والا بچہ لڑکا ہو گا۔ دوسرے الفاظ میں اگر مرد کا ۲۳ واں کروموسوم "X" ہے تو جیسے یہ عورت کے ۲۳ ویں کروموسوم "X" سے ملے گا تو پیدا ہونے والا بچہ لڑکی ہو گی۔ اور اگر مرد کا یہ کروموسوم "Y" ہے تو عورت کے "X" سے جب یہ ملاپ کرے گا تو پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہو گا۔ یہ تمام معلومات حال ہی میں جدید طبی تحقیق سے ہی حاصل ہوئی ہیں، اس سے پہلے کسی کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۔ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى﴾

"اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے"

نطفہ انسان کے اعضائے تناسل سے نکلنے والے منی کے پانی کو کہتے ہیں اور تمنیٰ کا مطلب ہے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے یہی بتایا ہے کہ بچے کی جنس کا انحصار مرد کی منی پر ہے اور یہ جدید سائنس نے ہمیں حال ہی میں بتایا ہے۔

سورۃ القیامہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے:

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۔ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى۔ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذكر والانثیٰ.

"کیا وہ منی کی ایک بوند نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکائی گئی تھی پھر وہ لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اعضا درست کیے' پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنا دیں"[۳]

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ یہی ارشاد فرمارہا ہے کہ انسان کی منی کا تھوڑا سا حصہ یا مقدار یا قطرہ جو عورت کے رحم کے اندر ٹپکایا جاتا ہے

،وہی بچے کی جنس کا ذمہ دار ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں بدقسمتی سے عورت کے ہاں اگر لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کے سسرال والے عورت کو ہی اس کا ذمہ دار گردانتے ہیں اور اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن اور سائنس نے ہمیں بتایا ہے کہ بچے کی جنس کا ذمہ دار مرد ہے عورت نہیں۔ جب کہ اولاد کے متعلق اسلامی تصور یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی ہے کہ وہ جسے چاہے لڑکے دے اور جسے چاہے لڑکیاں دے اور جسے چاہے کچھ نہ دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ درج ذیل آیت میں اس بات کو اس طرح بیان فرماتا ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ - اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًاج وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ.

" آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے جسے چاہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے لڑکے' یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا قدرت والا ہے'۔

جب کہ سائنسی زبان میں یہ اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی ہے کہ وہ مرد کی منی میں "x" نوعیت والے جرثومے پیدا کرتا ہے یا "y" نوعیت والے۔ یا دونوں میں سے کوئی بھی پیدا نہ کرے کہ جس سے عورت کا بیضہ بارور ہو سکے۔ اور یہ انتظام اللہ تعالیٰ نے مرد کی منی کے اندر ہی رکھا ہے، عورت کے انڈے یا بیضہ کے اندر نہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی اہل بصیرت پر عیاں ہو گیا ہو گا کہ قرآن اور جدید سائنس میں کس قدر یگانگت پائی جاتی ہے۔

ماں کے پیٹ کے تین تاریک پردے:

اللہ تعالیٰ سورۃ الزمر میں ارشاد فرماتا ہے:

خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ط يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ م بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَج فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ.

" اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کی بیوی بنائی اور تمھارے لیے مویشیوں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے، وہ تمہیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں، تین تاریک پردوں میں، ایک کے بعد دوسری شکل دیتے ہوئے پیدا کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ (ان صفات کا) تمھارا پروردگار، بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پھر تم کہاں سے پھیر دیے جاتے ہو؟"(۱)

قرآن مجید کے جدید دور کے مفسرین درج بالا آیتِ کریمہ میں بتائے گئے ماں کے پیٹ کے تین تاریک پردوں کو جدید سائنس کے بیان کردہ درج ذیل تین حصّوں سے منسوب کرتے ہیں، جن کے اندر بچہ کی تولیدی وقفہ کے دوران حفاظت کی جاتی ہے۔

(۱)۔ پہلی مادری شکمی دیوار (The Maternal Interior Abdominal Wall)

یہ پہلا مرحلہ ہے جب بیضہ والا خلیہ رحم کی دو نالیوں میں نشوونما پاتا ہے۔ زندگی کی ابتدا کا تجربہ اس حیاتیاتی خلیے (Zygote) کو اس پہلے مرحلے میں ہوتا ہے۔ دراصل ایک بیضہ والا خلیہ (Ovum) صرف اللہ کی مرضی سے بارور (Fertilized) ہوتا ہے۔ یہ باریک ترین خلیہ (Cell) ہی ہے۔ جس میں ہر چیز تیار ہوتی ہے اور انسانی زندگی کی آئندہ تفصیلات بھی یہیں متعیّن ہو جاتی ہیں۔ عورت کے بیضہ کی باروری کے لیے مرد کے صرف ایک (Single Sperm) کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن مرد کے جسم سے ان کا اخراج کروڑوں کی تعداد میں ہوتا ہے جب کہ ان میں کارآمد ایک ہی ہوتا ہے باقی خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کو قرآن کی اصطلاح میں پہلا اندھیرا (حجاب) کہہ سکتے ہیں۔

(۲)۔ رحمی دیوار (The Uterine Wall)

زرخیز شدہ بیضہ کا خلیہ رحم کی لعاب دار جھلی جسے (Intrauterine Epitherlium Endometrium) بھی کہتے ہیں' میں پہنچتا ہے۔ یہ ایک جنگل کے مشابہ ہے۔ یہ اس میں ایک طرح سے جڑ پکڑ لیتا ہے اور خود وہیں مناسب جگہ قائم کر لیتا ہے۔

حیاتیاتی خلیہ (Zygote) اسی جگہ پر تقسیم کا عمل شروع کرتا ہے، اس لیے جنین (Embryo) کے پہلے مرحلہ میں تمام اعضا کی تشکیل کی ابتدا بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ خلیوں کی ابتدائی تقسیم اسی کے دوسرے مرحلے کی تشکیل کرتی ہے۔ اس مرحلے میں انسانی جسم کی شکل خلیوں کے حجم گھٹوں کی طرح ہوتی ہے۔ مادہ منویہ انسان کے خلیوں میں پیدا ہوتا ہے اور پھر عارضی طور پر نالیوں کے ایک نظام میں جمع ہو جاتا ہے۔ پھر بارور شدہ بیضہ عورت کے تولیدی نظام میں بیضہ نالیوں (Fallopian Tubes) کے راستہ... (باقی ص:۵۶ پر)

بزم خواتین

شادی: اسلام کی نظر میں

مولانا عبدالمالک مصباحی

مہذب سوسائٹی اور پاکیزہ معاشرہ کے لیے شادی نہایت ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے موقع بموقع مختلف انداز میں لوگوں کو اس طرف راغب کیا اور اس کی اہمیت وفضیلت بیان کی۔

اسلام نے اس تعلق سے جو جامع دستور پیش کیا ہے وہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لیے آسان اور لائق عمل ہے۔ ذیل میں بنیادی نکات پر سرسری روشنی ملاحظہ کریں۔

شادی سے پہلے دیکھنا:

شادی سے پہلے لڑکا اور لڑکی دونوں ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھ سکتے ہیں اسلام اس کی اجازت دیتا ہے لیکن بہت سادگی کے ساتھ اس کے لیے باقاعدہ منگنی کا اہتمام کرنا اور اس میں فضول خرچیاں اور خرافات کرنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔اسلام ان امور کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

کس عمر میں شادی کی جائے؟

اس سلسلے میں شریعت نے کسی کو پابند نہیں کیا ہے کہ اس عمر میں رشتہ مناکحت میں منسلک ہوجانا ہے، بلکہ اس میں آدمی کو پوری پوری آزادی دی گئی ہے کہ وہ جب ضرورت محسوس کرے شادی کرسکتا ہے، قبل بلوغ بھی اولیا (Guardians) کی اجازت سے شادی ہو سکتی ہے۔ اور بعد بلوغ تو انسان خود مختار ہے۔ شرعی اعتبار سے یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ لڑکا کی عمر زیادہ ہو اور لڑکی کی کم بلکہ اس کے برعکس بھی جائز ہے۔باہمی رضا مندی اگر حاصل ہوجائے تو عمر کا زیادہ یا کم ہونا شرع میں معتبر نہیں۔مگر اس دور میں جب کہ لوگوں کے دلوں سے خشیت الٰہی اٹھتی جارہی ہے۔ جنسی جذبات اور نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوکر انسان انسانیت کی سطح سے گرتا چلا جارہا ہے، ہر چہار جانب بے پردگی اور فحاشی، آرائش وزیبائش اور بے شرمی وبے حیائی کا دور دورہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ذمہ دار افراد اپنے جگرپاروں کو غلط راستہ اختیار کرنے سے پہلے پہلے صحیح راہ پر لگا دیں تاکہ قدم کے بہکنے کا امکان کم سے کم ہوجائے۔

کیسی عورت سے شادی کی جائے؟

اس سلسلے میں شریعت مطہرہ کا جو مزاج ہے وہ اس حدیث پاک سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

تُنكحُ المرأة لاربع : لِمَالِها وَلِها وَلِحَسبُهَا وَلِحَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظفُر بِذَاتِ الدِّينِ (مشکوٰۃ شریف)

عورت سے اس کے مال، حسب و نسب، خوبصورتی اور دین داری کی بنیاد پر شادی کی جائے تو تم دیندار سے کامیابی حاصل کرو۔

اس حدیث سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ شادی سے پہلے عورت کی مالی پوزیشن سامنے رکھی جائے تاکہ آگے چل کر مال و دولت کی زیادتی یا کمی کسی جھگڑا کا سبب نہ بن جائے، عورت کا حسن و جمال بھی نگاہ میں رکھا جائے تاکہ زندگی کی گاڑی خوشی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتی رہے اور اس اہم موقع پر عورت کی دینداری سے بھی منہ نہ موڑا جائے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسی کو بنیادی درجہ دیا جائے کیوں کہ دین دار عورت جس خوش اسلوبی سے اس خاردار وادی سے دامن بچا کر نکل سکتی ہے۔ مغرب پرست یا ماڈرن لڑکیاں اس کے گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے دیندار خواتین کو اپنانے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

کس خاندان میں شادی کی جائے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ ذات پات کی تفریق اسلام میں کوئی چیز نہیں اسلام میں جگہ جگہ اس تصور کو مٹایا گیا ہے مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

کلکم من بنی ادم و ادم من تراب

تم سب کے سب اولاد آدم ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں۔

اسلام میں عزت وعظمت اور شرافت وکرامت کا معیار تقویٰ و طہارت اور دینداری و پرہیزگاری ہے۔ یہ خاندان، ذات پات، قبیلے اور برادریاں تو بس صرف دنیا میں اپنی پہچان باقی رکھنے کے لیے ہیں۔ حقیقت میں ان چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلنکم شعوبا وَّ قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکُم (الحجرات آیت ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شاخوں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

شریعت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے آج مسلم معاشرہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور کن کن رسم ورواج کا پابند ہو گیا اس کی تفصیل یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ یہاں پر صرف یہ بتانا ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کی تعلیم کیا ہے؟ مندرجہ ذیل حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ دین واخلاق کی بنیاد پر شادی کی ترغیب دی گئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ : اذا خطب الیکم من ترضون دینہ و خلقہ فزوّجوہ ان لم تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض (مشکوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کا پیغام آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو نکاح کردو، اگر نہیں کروگے تو زمین میں فساد پھیل جائے گا۔

شریعت میں جو کفو کا اعتبار کیا گیا ہے وہ بس اس قدر ہے کہ مرد حسب ونسب میں اتنا کم نہ ہو جس سے عورت کے سرپرست کو شرمندگی اٹھانی پڑے۔

مہر کا مسئلہ:

شریعت میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم دو یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اب بازار میں اس کی جو قیمت ہو، مہر خاص عورت کا حق ہے اس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے الّا یہ کہ عورت از خود معاف کردے۔ مہر کی تعین میں اس امر کا خیال ضروری ہے کہ مہر نہ اتنا زیادہ ہو جس کی ادائیگی شوہر کے لیے دشوار ہو جائے اور نہ اتنا کم جو عورت کے لیے باعث سبکی وخفت ہو۔

حدیث پاک میں ہے:

بہتر وہ مہر ہے جو آسان ہو (بہار شریعت ۷/۵۵)

آج کل نام ونمود یا کسی اور وجہ سے زیادہ مہر مقرر کرنے کا عام رواج فروغ پا رہا ہے جو مناسب نہیں ہے۔ اور نہ یہ شریعت کے مزاج سے میل کھاتا ہے۔

بارات کی حقیقت:

آج کل بارات کی دھوم دھام کے بغیر شادی کا تصور ہی نہیں ہوتا جب کہ کتب احادیث اور اعمال صحابہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں شادی کی رسم جس سادگی سے منائی جاتی تھی اس دور میں اس کا تذکرہ حیرت سے خالی نہیں۔

بارات کے انتظام واہتمام کے پس پردہ جو فضول خرچیاں اور چند در چند پریشانیاں ہیں۔ اسلام کسی حال میں ان کی اجازت نہیں دیتا اس لیے مسلمانوں کو ان تمام خرافات سے دامن بچا کر آقائے نامدار ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے اور اسے پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

موجودہ حالت کے پیش نظر با اثر افراد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے اپنے علاقوں میں بارات کی کثرت پر پابندی لگائیں اور اسے دیوانوں کا ہجوم نہ بنا کر چند معززین کی ایک پاکیزہ جماعت تک ہی محدود رکھیں۔ لڑکی والے ان کے بھی باقاعدہ کھانے کا اہتمام نہ کریں بلکہ آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر تواضع سمجھ کر صرف چائے نوشی پر ہی اکتفا کریں۔ اس میں طرفین کے لیے جو آسانی اور خانہ آبادی ہے اس کے فوائد پوشیدہ نہیں۔ آج کل ماحول کے مد نظر بہت مشکل معاملہ سمجھ کر اس میں سستی نہ برتی جائے بلکہ ملت اسلامیہ کے سچے وفادار اخلوص وللّٰہیت، کردار وعمل اور قول وفعل کی یکسانیت کے ساتھ میدانِ عمل میں اتریں اور اپنے سر کی آنکھوں سے حیرت انگیز کامیابی کا حسین منظر ملاحظہ کریں۔ آج بھی کچھ علاقوں میں ایسا ماحول ہے جہاں کروڑ پتی اور روزانہ مزدوری کرنے والوں کے یہاں شادی کا یکساں ماحول رہتا ہے۔

شادی بیاہ کی مروّجہ رسمیں:

شریعت سے دوری نے آج مسلمان کو کہیں کا نہ چھوڑا شادی کبھی خانہ آبادی کے لیے ہوا کرتی تھی مگر آج کل شادی کا مطلب ہے خانہ بربادی۔ اسلام نے اپنی فطری سادگی کی بنیاد پر جس کام کے لیے صرف دو آدمی اور دو بول (دو گواہ اور ایجاب و قبول) کو ضروری قرار دیا ہے۔ آج مسلمانوں نے صرف نام ونمود کی خاطر اسے اتنا بڑا پہاڑ بنا رکھا ہے کہ جس کی فکر برسوں پہلے سے انسان کو کھوکھلا کرتی رہتی ہے۔ عام حالتوں میں شادی سنت رسول ﷺ کا درجہ رکھتی ہے مگر اس سنت کی ادائیگی کے ضمن میں کتنے ناجائز اور خلافِ شرع کام ہوتے ہیں اس کی تفصیل تو سب کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہاں صرف چند اشارے پیش کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ کہاں تک ہم اپنے مذہب کے پابند ہیں اور کہاں تک غیروں کی تقلید میں ہماری زندگی ڈوبی ہوئی ہے۔

(۱) دلہن کی تلاشی، منگنی، بیجا رسمیں اور فضول خرچیاں:

شادی سے پہلے لڑکی اور لڑکا کو دیکھنا شرعاً منع نہیں ہے بلکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ دیکھنا چاہیے یہ ضروری بھی ہے اور موجودہ دور میں تو اس کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے مگر مسلم معاشرہ میں اس کا جو طریقہ رائج ہے وہ سراسر غلط اور ناجائز ہے، کیونکہ آج کل اس کام کے لیے پوری برادری اکٹھا کی جاتی ہے۔ دونوں طرف کھانے پینے کا معقول اہتمام، ادھر سے جوڑے اور زیورات، ادھر سے جوڑے اور سوغات، اگر بالفرض بات طے نہ ہو پائی (جس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے) تو ان چیزوں کی بنیاد پر ناچاقی اور آپسی اختلافات وغیرہ وغیرہ، مختصر یہ کہ بہت سارے مقامات پر آج کل منگنی کی رسم میں لوگ جتنا خرچ کر دیا کرتے ہیں اگر اسلامی طریقے سے شادی کی جائے تو صرف ایک منگنی میں چار چار پانچ پانچ شادیاں ہو جائیں گی۔ کیا اس فضول خرچی کا معاشرہ پر اثر نہیں پڑتا۔ یقیناً پڑتا ہے اور بہت برا اثر پڑتا ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ان ناجائز رسموں کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲) ناچ گانا، ڈھول تاشہ اور بینڈ باجہ:

ان خلافِ شرع کاموں میں عزت و عصمت کا جو ننگا ناچ ہو رہا ہے شریف انسان اس کے تصور سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ شادی کے موقع پر یہ چیزیں ہمارے معاشرے کا اٹوٹ حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ یورپ کی تقلید نے مسلمانوں کی عقلوں کو اس طرح زائل کر دیا ہے کہ احساس کا مادہ ہی ختم ہو گیا ہے۔ نوجوان لڑکوں کے ساتھ خوش پوش بلکہ عریاں لڑکیاں بھی سڑکوں پر رقص اور ڈانس کرتی نظر آتی ہیں، عصر حاضر کی عورتوں اور لڑکیوں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ ہمیں کسی معاملے میں مردوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے چاہے عزت رہے یا نہ رہے اس کی پروا نہیں، اسلام کا جنازہ نکلتا رہے اس کی فکر نہیں۔ کیا اسی کا نام ترقی اور عزت ہے؟

(۳) پٹاخے چھوڑنا اور گولے داغنا:

مسلم معاشرہ میں اظہار مسرت کا یہ بھی ایک مذموم طریقہ بہت زور و شور سے رائج ہے جبکہ شرعی طور پر یہ سراسر حرام ہے۔ کیونکہ اس طریقے سے انسان اپنی محنت و مشقت کی کمائی میں خود اپنے ہاتھوں سے آگ لگا کر چند لمحوں کے لیے خوش ہو لیتا ہے جبکہ اس کا فائدہ کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ شیطان کی خوشنودی اور خدا کی غضب کو دعوت دی جائے اور اس کا دوسرا پہلو جو سماجی طور پر بہت ہی نقصان دہ ہے جس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ اس میں کبھی انسان تو خود ہی زخمی ہوتا ہے اور کبھی دوسروں کو زخمی کر دیتا ہے۔ مکانوں پر چنگاریاں پڑتی ہیں، گھروں میں آگ لگ جاتی ہے اس سے جو ناقابل برداشت نقصان ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ بے خبر انسان نے ایک غلط قدم اٹھایا نتیجہ غموں کے پہاڑ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ شادی کی پوری خوشی دیکھتے ہی دیکھتے پٹاخوں کی نذر ہو گئی اور پورا ماحول سوگوار ہو گیا۔ یہ وہ تلخ حقائق ہیں جن کا بارہا مشاہدہ ہو چکا ہے مگر پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

(۴) کھانے کا اہتمام:

شادی بیاہ کے موقع پر عام طور سے کھلانے پلانے میں جو روپے خرچ کیے جاتے ہیں وہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

جو کام نہایت سادگی اور بہت کم خرچ میں ہو سکتا ہے مسلمان اپنی جھوٹی شان برقرار رکھنے کے لیے ان کاموں پر اتنے روپئے خرچ کر دیتا ہے کہ اس کا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔ قرض کے بوجھ تلے ایسے دب جاتا ہے کہ برسوں چھٹکارا نہیں مل پاتا۔ اگر یوں ہی قرض نہ مل پائے تو لوگ سود پر روپئے لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے جبکہ سودی لین دین سراسر حرام اور گناہ ہے۔ مگر یہ مسلمان ہے کہ معاشی طور پر پریشان ہوتا رہے، رات کی نیند حرام ہوتی ہے تو ہوتی رہے سماج میں ناک نہ کٹنے پائے۔ حالانکہ یہ ایک خطرناک اور مہلک سوچ ہے جس نے سماج کا ڈھانچہ منتشر کر دیا اور قوم کو مفلوک الحال بنا دیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان روپیوں کا اگر دسواں حصہ بھی کسی رفاہی اور فلاحی کام میں صرف ہونے لگے تو قوم کا سر فخر سے بلند ہو جائے۔ مگر اس المیہ پر کتنا ماتم کیا جائے کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کا یہ نظریہ بن گیا ہے کہ ہم ذاتی شہرت کے لیے تو سب کچھ قربان کر سکتے ہیں مگر کسی تعمیری کام میں ایک دانہ بھی خرچ نہ کریں گے۔

علم اور روشنی کے اس نام نہاد دور میں جہالت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان انسانیت کی تمام دیواریں پھلانگ کر جانوروں کی صف میں جا کھڑا ہوا ہے۔ عام طور پر شادی بیاہ اور دیگر تقریبوں میں آج کل کھانے پینے کا جو اہتمام ہوتا ہے وہ کیا ہے؟ کھانا ٹیبل پر سجا دیا گیا اور لوگ انگریزوں کی طرح جوتا پہنے کھا رہے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ یہ بھی کوئی اخلاقی معیار، مہذب طریقہ اور انسانی انداز ہے۔

آج مسلمان سنت رسول ﷺ ترک کر کے جس بے حسی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں وہ لائق نفرت بھی ہے اور قابل ملامت بھی، باعث حیرت بھی ہے اور وجہ تفکر و تردد بھی!

طریقِ مصطفےٰ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

شعاعیں

تکبر وغرور کی تباہیاں

محمد ہاشم قادری مصباحی

تکبر و غرور کی تباہ کاریاں انسانی زندگی کے آغاز سے ہی موجود رہی ہیں۔ دنیا میں صرف مذہب اسلام ہی واحد مذہب ہے جو اس گناہِ عظیم سے بچنے کا راستہ بتاتا ہے، اور وہ راستہ، اللہ کی فرماں برداری کا راستہ ہے۔

تکبر میں مبتلا شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت و انعام کو اپنا ذاتی کمال و وصف سمجھنے لگتا ہے قرآن کریم میں ابلیس کا قصہ بار بار ذکر ہوا ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا، ظاہر ہے اس میں اس کا کوئی ذاتی کمال نہ تھا، لیکن اس نے اسی کو وجہ افتخار بنالیا جس سے مغلوب ہو کر اللہ کے حکم سے سرتابی کر بیٹھا اور بندگی کے حق کو ادا نہ کر سکا، غرور و تکبر میں مبتلا لوگ اپنی خواہشات کو اپنا آلہ بنالیتے ہیں، اللہ کا حکم جہاں اپنی مرضی کا ہوتا ہے اسے مان لیتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں، لیکن جہاں ان کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے وہاں اپنی خواہشات کے بندے بن جاتے ہیں، اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں، آخرت سے غفلت تکبر و غرور پیدا ہونے کی ایک خاص وجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا:۔ سورہ لقمٰن، آیت ۱۸،

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔

(ترجمہ) بے شک اللہ کو کوئی تکبر کرنے والا پسند نہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا چہرہ کج نہ کر (گال نہ پھلا گردن نہ ٹیڑھی کر) اور زمین میں اتراتا نہ چل بے شک اللہ کو کوئی تکبر کرنے والا پسند نہیں۔

تکبر و غرور نہ کرنا ایمان کی علامت ہے: قرآن کریم ارشاد فرمارہا ہے جو لوگ تکبر نہیں کرتے انہیں کو قرآن کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں (سورہ السجدہ آیت نمبر، ۱۵)، پس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید (تعریف، حمد و ثنا) کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

تکبر کی وضاحت مسلم شریف کی ایک حدیث سے بخوبی ہوتی ہے۔

ترجمہ :۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا جنت میں نہیں جاسکے گا، اس پر ایک شخص نے پوچھا آدمی چاہتا ہے اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تکبر نہیں اللہ تعالیٰ صاحبِ جمال و کمال ہے اور جمال و کمال کو پسند فرماتا ہے بلکہ تکبر کے معنٰی ہیں اللہ کے حق کو ادا نہ کرنا اس کے حکم سے سرتابی (خلاف ورزی) کرنا اور خدا کے بندوں کو حقیر جاننا۔

پہلا اور سب سے بڑا گناہ تکبر اور غرور ہے:۔ ابلیس نسلی برتری میں مبتلا تھا اسی احساس کی وجہ سے وہ قصداً اپنے رب العزت کی نافرمانی کر بیٹھا اور ضلالت کے گڑھے میں گرتا چلا گیا، اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے جب ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا، قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ تو سجدہ نہیں کرتا تجھے اس سے کس نے روکا کہ میں حکم دے چکا ہوں، کہنے لگا میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ حق تعالیٰ نے کہا تو یہاں سے نکل جا تجھ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو تکبر کرے تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں شمار ہوگا۔

اس پھٹکار کے بعد بھی ابلیس نے نسلی تعصب ترک نہیں کیا تکبر کی گمراہیوں میں وہ اور اس کے چیلے پڑے ہوئے ہیں، مذہب اسلام اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پہ چل کر اور عمل پیرا ہو کر ہی تکبر سے بچا جاسکتا ہے، یہی اس بیماری کا علاج ہے۔

تکبر کے اسباب :۔ تکبر کے بہت سارے اسباب ہیں:

(۱) علم:۔ بہت کم ہی علما ہیں جو تکبر سے خالی ہیں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی آفت ہے علم کی آفت تکبر ہے۔ آفة العلم الخيلاء، تکبر علم کی آفت ہے، صوفیہ فرماتے ہیں جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے، کیونکہ حقیقی علم وہ ہے جتنا بڑھے گا خوف الٰہی اتنا ہی بڑھے گا کیونکہ ارشاد ربانی ہے، سورہ فاطر، آیت ۲۷، اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (ترجمہ) اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں) معلوم ہوا کہ علمائے دین بہت مرتبہ والے ہیں کہ رب نے اپنی خشیت و خوف ان میں منحصر فرمایا جسے بھی خوف خدا نصیب ہوگا وہ سچے عالموں کے ذریعہ مگر مراد علم والوں سے وہ ہیں جو دین کا علم رکھتے ہیں جن کے عقائد و اعمال درست ہوں۔ (تفسیر نور العرفان، جلد اول، ص ۶۹۸)

(۲) زہد و تقویٰ عبادت و پرہیزگاری :۔ قرآن بیان فرماتا ہے مومن/آیت، ۶۰ جو لوگ میری عبادت پر تکبر کرتے ہیں وہ بہت ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے،

(۳)خاندان و نسب پر فخر کرنا:۔ تکبر کی یہ بیماری بہت عام ہے چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کسی آدمی سے میرا جھگڑا ہوا میں نے اے ابن سودا اسے کالی عورت کے بیٹے کہہ کر پکارا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اے ابوذر یہ مت بولو کسی گوری کے بیٹے کو کالی کے بیٹے پر فضیلت نہیں ہے یہ سننا تھا کہ مجھ پر خوف طاری ہوا، اسی وقت میں اس آدمی کے پاس پہنچا اور کہا۔ اٹھو اور اپنا پیر میرے منھ پر رکھو تا کہ میرے قول کا بدلہ ہوجائے۔

(۴)خوبصورتی اور حسن و جمال:۔ حسن و جمال سے غرور پیدا ہوتا ہے، اس مرض میں خوبصورت مرد بھی گرفتار رہتے ہیں، مگر عورتیں سب سے زیادہ اس مرض میں گرفتار رہتی ہیں، کم صورتی پر طنز کرنا اور جسم کی ناہمواری پر مذاق اڑانا عام بات ہے۔

(۵)مال و زر:۔ دولت مند لوگ غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اپنی بڑائی اور گھمنڈ میں مست رہتے ہیں۔

غرور کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا:۔ جو لوگ غرور تکبر کی روش اپنائے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ بطور سزا ایسے لوگوں کو قرآن پاک کے سمجھنے کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے۔ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (ترجمہ) اور اپنی آیات سے میں انہیں پھیر دوں گا جو زمین پر ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔ (تفسیر کتاب الرعایہ، تفسیر ابن کثیر)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں فضول بیجا اور ناحق بات پر تکبر کرتے ہیں اور اترائے جاتے ہیں۔ تفسیر میں ہے متکبرین کے قلوب (دل) سے فہم قرآن اٹھا لیا جائے گا، اور عالم ملکوت اور ان کے قلوب کے درمیان حجاب (پردہ) پیدا کر دیا جاتا ہے، غرور کی وجہ سے ان کو آیات الٰہی میں غور و فکر سے پھیر دیا جاتا ہے۔ اللہ پاک تکبر کرنے والوں کے دل پر مہر لگا دیتا ہے: ارشاد ربانی ہے:

کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا،

ترجمہ: کس قدر سخت بیزاری کی بات ہے اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک، اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

گھمنڈ کرنے والے غور کریں اللہ کی جانب سے کتنا سخت عذاب ہے۔

رب العزت کا حکم ہے، سورہ مومن، آیت، ۳۵:

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ۔

ترجمہ: اللہ یوں ہی مہر کر دیتا متکبر سرکش کے سارے دل پر۔

(استغفر اللہ، استغفر اللہ،) اللہ بچائے تکبر و غرور سے، امین، تکبر ہی نے ابلیس کے دل میں حسد کی آگ بھڑ کائی اور حکم خدا کا انکار کر دیا اور تمام عبادات اس کی برباد کر دی گئیں۔ (تفسیر نور العرفان، جلد اول، ص ۲۶)

اس نادان ابلیس کو یہ سمجھ نہ آئی کہ آدم علیہ السلام کے سر پر نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کرنیں جلوہ ریز ہیں، آج بھی بعض لوگ ظاہری شریعت حضور کی دیکھتے ہیں، حقیقت محمدی کے نور کے نہیں دیکھتے۔

ابلیس سے نافرمانی غرور کی وجہ سے ہوئی تو وہ اس پر اکڑ گیا اور ابدی شقاوت کا شکار ہو گیا، حکم الٰہی ہوا نکل جا یہاں سے، ہماری بارگاہ رحمت میں صرف ان کے لیے جگہ ہے جو ہمارے حکم کو مانے اکڑی اکڑی گردن والوں کے لیے یہاں جگہ نہیں، حدیث پاک میں ہے، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے دل میں رائے کے دانہ کے برابر بھی غرور ہو گا اس پر جنت کے دروازے بند ہوں گے، صاغر اس ذلیل اور حقیر کو کہتے ہیں جو اپنی ذلت اور پستی پر خوش ہوتا ہے شیطان کس مقام عزت پر فائز تھا اور جب حکم الٰہی کی سرتابی کی تو ذلت و رسوائی کی پستیوں میں پھینک دیا گیا۔

(تفسیر ضیاء القرآن جلد ۲ ص ۱۴)

تکبر کرنے والوں کو عبرت ناک سزا:۔ پارہ سورہ نحل، آیت ۲۹:

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ کہ ہمیشہ اس میں رہو تو کیا ہی برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا۔

یعنی (۱) انسان کا تکبر جھوٹا ہے اسی لیے جرم ہے۔ (۲) جو غرور نبی و رسول کے مقابلے میں ہو وہ جرم ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی کبریائی برحق ہے لہٰذا اس کے لیے تکبر صفات کریمہ میں سے ہے۔ (۴) مسلمان بھائیوں سے تکبر و غرور حرام ہے۔ (۵) اللہ و رسول کے سامنے تکبر کفر ہے۔ (۶) بڑائی حق بھی ہوتی ہے اور ناحق بھی، جہاد میں کفار کے مقابل اپنی شان بتانا اور دکھانا حق والی بڑائی ہے جو کہ عبادت ہے، ثواب ہے۔ (۷) مسلمانوں کے مقابل شیخی مارنا اور ناحق بڑائی مارنا حرام ہے۔ (۸) انبیائے کرام کے مقابل بڑائی کفر ہے اور شیطان کا طریقہ ہے، یہاں یہی بڑائی مراد ہے، معلوم ہوا غرور وہ آگ ہے جو دل و دماغ کی تمام قابلیتوں کو جلا کر برباد کر دیتی ہے، اللہ کی پناہ تکبر نے ہی ابلیس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکائی اور اس کی عبادات برباد کر کے رکھ دی۔

تکبر کی مذمت قرآن میں : پارہ ۱۵، رکوع ۴، سورہ بنی اسرائیل، سورہ نمبر ۱۷، آیت نمبر ۳۷، اور زمین میں تکبر اور خود نمائی سے نہ چل، بے شک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کے برابر نہ ہو گا۔

(ترجمہ کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اسی لیے دی ہے کہ وہ شکر گزار اور فرماں بردار بندہ بن کر زندگی گزارے۔ جو انسان ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہ کرے اسے محض کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے اشرف و افضل نہیں کہا جا سکتا۔ تقویٰ انسان کی بڑائی کا واحد معیار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو بڑائی، گھمنڈ، خود نمائی، غرور، تکبر جیسے موذی گناہ عظیم سے بچنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین، ثم آمین۔ ☆☆☆

انوارِ حیات

پانچویں قسط

مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی

مبارک حسین مصباحی

مدرسہ قاسم البرکات میں درس و تدریس:

حضرت احسن العلما ایک باصلاحیت عالم دین اور متبحر حافظ و قاری تھے۔ آپ نے درس و تدریس کے سلسلے کو پیشے کے طور پر اختیار نہیں کیا۔ لیکن جب موقع ملتا آپ مدرسہ قاسم البرکات مارہرہ مطہرہ میں درس و تدریس کی خدمات بھی انجام دیتے۔ آپ کی درس گاہ میں بڑے بڑوں نے زانوے ادب تہ کیا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بارگاہ میں "جن" بھی درس لیتے تھے۔ شہزادۂ سید العلما حضرت سید حسنین نظمی میاں فرماتے ہیں۔

"چچا میاں میرے استاذ بھی تھے۔ فارسی کا آمد نامہ میں نے انھیں کی خدمت میں حاضر رہ کر پڑھا ،بڑی شفقت سے پڑھاتے تھے۔ پوری پڑھائی میں صرف ایک بار ایک طمانچہ میرے حصے میں آیا، وہ بھی پڑھائی کے دوران اونگھنے پر۔ حویلی سجادگی میں حضور تاج العلما، سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی چوکی پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے، ایک دن حکیم لقمان کی نصیحتیں پڑھا رہے تھے، جب اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کمرے میں کسی نے الاؤ جلا دیا ہو۔ بڑی تپش محسوس کی۔ میں نے چچا میاں سے کچھ کہنا چاہا مگر انھوں نے اشارے سے مجھے روک دیا اور مجھے فوراً چھٹی دے دی۔ دوسرے دن سے میری پڑھائی آنگن میں ہونے لگی، بعد کے برسوں میں معلوم ہوا کہ چوکی جس دالان میں تھی وہیں جنوں کی کوٹھری تھی اور جن بھی درس میں شریک ہوتے تھے۔" (سیدین نمبر، ص:۸۳۸)

امامت و خطابت:

حضرت احسن العلما نے ۵۴؍ برس تک مسجد برکاتی مارہرہ مطہرہ میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ حضرت سید محمد اشرف برکاتی صاحب نے اپنے بزرگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضور احسن العلما نے باقاعدہ سجادہ نشین اور صدر کمیٹی درگاہ شاہ برکت اللہ اور متولی مسجد برکاتی ہونے سے پہلے خانقاہ کی مسجد برکاتی کا مصلیٰ سنبھال لیا تھا اور سلسلۂ وعظ بھی شروع کر دیا تھا۔ حضور احسن العلما نے زندگی کے آخری ایام تک جمعہ کی نماز سے پہلے پہلے آدھا گھنٹے بیان کا سلسلہ جاری رکھا۔ شرفِ ملت مزید فرماتے ہیں ۔ غالباً یہ بھی ایک ریکارڈ ہوگا کہ کسی عالمِ دین نے بیرونی اسفار کی مدت کے علاوہ کسی ایک جگہ مستقل طور پر ۵۴؍ برس تک وعظ و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ہو۔ جمعہ کے وعظ میں نہایت سادہ انداز میں موقع و محل کے اعتبار سے تقریر کرتے، کیوں کہ قصبے کے نیم خواندہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ قصبے کے لوگوں میں آج جو دین کی فہم اور مسائل سے آگاہی ہے، وہ بڑی حد تک حضور احسن العلما کے انھیں آدھے گھنٹے کے بیانات کا ثمرہ ہے۔ (ملخصاً از سیدین نمبر، ص:۷۲۲)

امین ملت حضرت سید محمد امین میاں برکاتی فرماتے ہیں:

"سید والا تبار نے کچھ عرصہ جامع مسجد اندھیری ممبئی میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیے اور ۱۹۵۱ء کے رمضان المبارک میں تن تنہا ایک رات میں تراویح میں مکمل قرآن عظیم کی تلاوت کی۔ ممبئی کے ایک معتبر راوی نے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے ممبئی میں شب شہادت میں لگاتار ۵؍ گھنٹے ۴۰؍ منٹ خطاب فرمایا۔ تین تین گھنٹے کی تقریروں کے تو بے شمار گواہ مارہرہ مطہرہ میں موجود ہیں۔ (سیدین نمبر، ص:۸۳۰)

سید دلشاد حسین قادری برکاتی لکھتے ہیں:

"آپ ہر سال محرم الحرام کی محفلوں کو خطاب فرمانے کی غرض سے ممبئی تشریف لاتے رہے۔ کچھ عرصے کے لیے اندھیری اسٹیشن کی جامع مسجد کو بھی اپنی خطابت اور امامت سے زیب بخشا تھا۔"

(اہل سنت کی آواز،۱۹۹۹)

پروفیسر سید جمال الدین احمد اسلم صاحب نے آپ کے چند خطبات کا مجموعہ بنام ”طریقۂ احسن“ مرتب فرمایا ہے جو۲۸۶ر صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرت احسن العلما کے خطبات وملفوظات کا یہ مجموعہ بڑا معلومات افزا اور گراں قدر علم وحکمت کا خزانہ ہے۔ مرتب نے بڑی عرق ریزی، دماغ سوزی اور سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ اس کے نقش اول میں (۱)حضرت احسن العلما کے ۱۳۷ھ کے تبلیغی دوروں کی خود نوشت، رودادِ سفر، (۲) حقیقی کامیابی کا راز (۳) فرائض انسانی (۴) ثمرۂ اطاعت عنوانات سے ہیں، جب کہ نقش ثانی میں حسب ذیل عنوانات پر خطبات وملفوظات ہیں۔

(۱) ورفعنا لک ذکرک (۲) نماز قائم کرو (۳) صبر کرو (۴) جشن آمدِ رمضان (۵) رمضان شریف کی تشریف آوری (۶) رمضان کی رحمت کی مہر (۷) ذکر سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ (۸) ذکر رسول آئینۂ قرآن میں (۹) قرآن کی بارگاہ میں (۱۰) بقرعید، عاشقانِ صادق کی سنت (۱۱) عرس رضوی کی پیش پیش۔

طریقۂ احسن کی تقریظ میں حضرت احسن العلما کے طرزِ خطابت اور موضوعات خطابت کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت سید محمد اشرف برکاتی رقم طراز ہیں:

> ”حضور احسن العلما ایک بے مثال مقرر تھے۔ ان کے بیان میں سلاست، تلقین، خطابت اور تفہیم کے پہلو بہت روشن تھے۔ انھوں نے پیہم چوّن برس تک خانقاہِ برکاتیہ کی جامع مسجد برکاتی کے منبر سے رہ نمائی فرمائی۔ اگر ان کی تقاریر کے موضوعات اور طرزِ خطابت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نکات سامنے آتے ہیں۔
>
> ان کے موضوعات میں توحید، حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، محبتِ اولیاے کرام، پابندیِ فرائض کی تلقین، حقوق العباد کی پاس داری، فتنوں سے دور رہنے کی نصیحت، شعائرِ اسلام پر اصرار، مخلوق خدا سے محبت، شہداے اسلام اور اولیاے کرام کے واقعات سے اولوالعزمی کے نتائج اخذ کرنا، بری رسومات سے پرہیز، حصولِ علم پر زور وغیرہ شامل تھے۔ اسلامی تاریخ ان کا مستقل موضوع تھا، جس پر وہ بے تکان تقریر کرتے تھے۔
>
> مندرجہ بالا موضوعات کی ادائیگی کے لیے ان کی خطابت نے جن اسلحہ جات کا انتخاب کیا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔
>
> آیاتِ قرآنی، احادیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخِ اسلام، صحابہ کے واقعات، سعدی، جامی، رومی کے حسبِ موقع اشعار، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیف حدائقِ بخشش کے برمحل اشعار، تسہیلِ بیان کے لیے مترادفات کا استعمال، چھوٹے چھوٹے جملوں کا عام فہم انداز میں استعمال، عربی گرامر کی نزاکتوں سے سامعین کو بے تکلف کرنا۔ حضرت والا کی خطابت میں بڑی روانی تھی ان کی آواز بلند اور گونج دار تھی، مائک کے بغیر ان کی تقریر دور دور تک سنی جاتی تھی۔
>
> ان کی خطابت کا اعلیٰ ترین جوہر یہ تھا کہ وہ آیاتِ قرآنی سے اپنے مدعا کی تائید وتصدیق کرتے چلتے تھے۔ قرآن کریم کے متن اور مفاہیم پر ان کا استحضار ضرب المثل کا درجہ رکھتا ہے۔“ (طریقۂ احسن، ص:۳-۴)

دعوت وارشاد:-

حضرت احسن العلما تقویٰ شعار اور انتہائی مخلص واعظ و مرشدِ گرامی تھے۔ قوم کی رشد وہدایت اور جماعت کی فلاح وبہبود ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہتی تھی۔ پیشہ ور خطیبوں کی طرح آپ کے نہ بے جا شرائط ہوتے تھے اور نہ لوازم۔ تبلیغ دین اور سلسلۂ برکاتیہ کی اشاعت کے لیے آپ نے ملک وبیرون ملک کے بے شمار سفر کیے۔ گونڈی، پور بندر، دھوراجی، کوٹہ، سورت، بڑودہ، ممبئی، کلکتہ، اڑیسہ، ناگ پور، وارسا، بریلی، بدایوں، پٹیالی، اندور، کان پور، گلولی، کالپی شریف، اناؤ، جالون، گھمر، فیض آباد، بنارس، الہ آباد، لکھیم پور کھیری، حیدر آباد، پورن پور، پیلی بھیت، شیر پور، نیپال کی ترائی کے دیگر مقامات، کراچی، حیدر آباد، سندھ، لاہور، ڈھاکہ اور چٹاگام وغیرہ۔

حضرت احسن العلما اوبڑ کھابڑ راستوں سے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے تھے اور ان پڑھ لوگوں اور گنواروں کی دینی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ آپ کے تبلیغی سفر کا ایک واقعہ بڑا مشہور ہے، جسے ہم نے حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی اور حضرت امین ملت سے سنا بھی ہے اور حضرت

سید محمد اشرف برکاتی نے سیدین نمبر میں شامل اپنے مضمون میں تحریر بھی کیا ہے۔ اس دل چسپ واقعہ کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ایک بار ہم عبدالرزاق بھائی کے ساتھ ایک ایسے گاؤں میں گئے جہاں ہم سے پہلے تبلیغ کے لیے کوئی گیا ہی نہیں تھا۔ گاؤں کی آبادی سے متعلق صرف اتنا علم تھا کہ وہ لوگ مسلمان ہیں، باقی عمل کے بارے میں یا عقائد کے بارے میں معاملہ بالکل کورا تھا ہم لوگوں نے پہنچ کر کہا کہ ہم لوگ آپ تمام گاؤں والوں سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ گاؤں والوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ بہر حال رات کو ان گاؤں والوں نے ایک بڑا سا الاؤ جلایا اور سارے لوگ اس کے گرد بیٹھ گئے۔ ہم دونوں کو اپنے ساتھ نہیں بیٹھایا، بلکہ پیچھے ایک بڑا سا مٹکا الٹا کر کے رکھ دیا اور اس پر ایک بورا ڈال کر کہا کہ مولانا صاحب آپ اس پر بیٹھ کر جو کہنا ہو کہہ لو۔ اب عجیب صورتِ حال تھی۔ وہ سب الاؤ کے گرد بیٹھے تھے اور ہم ان کے پیچھے ایک اوندھے مٹکے پر براجمان تھے۔

بہر حال اللہ کا نام لے کر ہم نے سادہ انداز میں ان سب کو اللہ، اللہ کے رسول ﷺ، قرآن عظیم، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اولیاے کرام کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ جہاں جہاں ان لوگوں کو کوئی بات پسند آتی وہ خوش ہو کر زور سے چلا کر کہتے "خوب کہا، مولوی صاحب پھر کہو"۔ غرض یہ کہ آہستہ آہستہ ان لوگوں کو دین و سنیت کی طرف راغب کیا۔ یہ پورا واقعہ سنا کر وہ دیر تک ان یادوں میں کھوئے رہتے اور متبسم رہتے۔ (سیدین نمبر، ص:۵۴۷)

حضرت سید حسنین میاں نظمی مارہروی فرماتے ہیں:

"چچا میاں ایک بہترین مبلغ بھی تھے، در اصل ان کی ذات ہی مجسم تبلیغ تھی، جانے انجانے لوگ ان کی طرف کھنچے آتے تھے۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص دوسرے سے یہی کہتا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں۔" (سیدین نمبر، ص:۸۰)

مریدین و خلفا:-

ملک اور بیرون ملک میں حضرت کے ہزاروں مریدین و متوسلین ہیں۔ خانقاہ برکاتیہ سے خلافت و اجازت بڑی چھان پھٹک کر دی جاتی ہے۔ حضرت احسن العلماء علیہ الرحمہ بھی اس سلسلے میں بڑے محتاط تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے خلفا کی تعداد بہت مختصر ہے۔ میری معلومات کے مطابق حضرت کے خلفا کے اسماے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱)- حضرت امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف۔

(۲)- حضرت سید آل رسول حسنین میاں، سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ۔ خلف الرشید حضور سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں علیہ الرحمۃ والرضوان۔

(۳)- حضرت شرفِ ملت سید محمد اشرف میاں صاحب۔

(۴)- حضرت سید محمد افضل میاں صاحب۔

(۵)- رفیقِ ملت حضرت سید نجیب حیدر نوری میاں نائب سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف

(۶)- حضرت سید ضیا میاں سجادہ نشین خانقاہ محمدی کالپی شریف۔

(۷)- حضرت مفتی محمد خلیل خاں علیہ الرحمہ برکاتی مفتی اعظم سندھ پاکستان۔

(۸)- حضرت فقیہ اعظم ہند شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، سابق صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

(۹)- بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی، سابق پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔

(۱۰)- تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی الشاہ اختر رضا خاں ازہری میاں دامت برکاتہم العالیہ، بریلی شریف۔

(۱۱)- فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ۔

(۱۲)- محدث بستوی حضرت صوفی نظام الدین برکاتی مصباحی دام ظلہ العالی۔

(۱۳)- حضرت مولانا سبحان رضا خاں، سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف۔

(۱۴)- پیر طریقت حضرت مولانا جمال رضا خاں، بریلی شریف۔

(۱۵)- حضرت مفتی مظفر احمد داتا گنجوی۔

(۱۶)- شہزادۂ خلیل ملت حضرت علامہ مفتی احمد میاں برکاتی، سندھ، پاکستان۔

(۱۷)- پیر طریقت حضرت مولانا سید اصغر امام قادری مصباحی امجھر شریف، بہار۔

(۱۸)- حضرت مولانا مفتی سید محمد عارف رضوی۔

(۱۹)- شیر نیپال حضرت مفتی جیش محمد، نیپال۔

(۲۰)- پیر طریقت حضرت مولانا غلام ربانی فائق اعظمی علیہ الرحمہ۔

(۲۱)- حضرت مولانا قاری امانت رسول، پیلی بھیت۔

(۲۲)-عالی جناب عبدالحمید برکاتی، جے پور

(۲۳)-حاجی عبدالغفار نوری، اندور۔

(۲۴)- حضرت مولوی اسماعیل جانی، ممبئی۔

(۲۵)- جناب محمد عارف برکاتی، کراچی۔

(۲۶)-جناب مولوی عبدالقدیر پھول خاں برکاتی، گلولی۔

رضاشناسی:

امام احمد رضا قدس سرہ چشم و چراغ خاندان برکات ہیں ۔ حضرت احسن العلما کو ان کی ذات اور ان کی فکر سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ دن میں کئی کئی بار اعلیٰ حضرت اور مفتیٔ اعظم ہند کا تذکرہ کرنا ان کی عادت سی بن گئی تھی۔ حضرت امین ملت فرماتے ہیں۔

"ہم بھائیوں سے کہتے تھے کہ میرا جو مرید مسلکِ اعلیٰ حضرت سے ذرا سا بھی ہٹ جائے تو میں اس کی بیعت سے بے زار ہوں اور میرا کوئی ذمہ نہیں ہے۔ فرماتے تھے کہ یہ میری زندگی میں نصیحت اور میرے وصال کے بعد میری وصیت ہے۔ انتقال سے چند روز قبل برادرم سید نجیب حیدر نوری سے فرمایا کہ بیٹا مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک حق کو ہمیشہ مضبوطی سے تھامے رہنا۔ دراصل مسلکِ اعلیٰ حضرت کوئی نئی چیز نہیں ہے کہ یہی مسلکِ صاحب البرکات ہے، مسلکِ غوث اعظم ہے، مسلکِ امامِ اعظم ہے اور مسلکِ صدیقِ اکبر ہے۔" (سیدین نمبر، ص:۸۳۱)

حضرت شرف ملت تحریر فرماتے ہیں:

"والدِ معظم اکثر گھر میں اہل خاندان کے درمیان بیٹھ کر گفتگو کے بیچ بیچ میں انوری، خاقانی، سودا، میر اور میر درد اور مارہرہ کے شعرا کے شعر بھی حسبِ موقع پڑھا کرتے تھے۔ میر تقی میر کے اشعار انھیں بہت پسند تھے، لیکن شاعروں میں انھیں سب سے زیادہ کلام امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا یاد تھا۔ ان کا شعر سناتے وقت فرماتے، سنو میرے اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں۔"

(سیدین نمبر، ص:۷۲۲)

حضرت احسن العلما بلا شبہہ ماہر رضویات تھے۔ حدائق بخشش کو انھوں نے اپنی والدہ سے سبقاً سبقاً پڑھا تھا۔ بقول جناب اکبر علی برکاتی۔ حدائق بخشش کے تینوں حصے ان کو ازبر تھے۔ فرماتے تھے، حدائق بخشش تو مجھے میری والدہ نے درسی کتابوں کی طرح سبقاً سبقاً پڑھائی۔ حضرت احسن العلما بلند فکر شاعر بھی تھے اور سخن فہم بھی اور اعلیٰ حضرتیات میں تو وہ اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت امین ملت رقم طراز ہیں:

"وہ نعت، غزل، منقبت وغیرہ بھی کہتے تھے، سخن فہمی میں ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرتیات پر ہندوستان کے علما و مشائخ میں وہ منفرد تھے۔" (اہل سنت کی آواز، اکتوبر ۱۹۹۵ء)

حضرت احسن العلما کلامِ رضا کے شناور بھی تھے اور شارح بھی۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ آپ عام شارحین کی طرح زبان و بیان ہی کی تشریح نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ امام احمد رضا کی شاعری کے رمز شناس تھے۔ آپ کی نگاہ مقامِ نبوت پر بھی رہتی تھی اور نعتیہ اشعار کے بین السطور پر بھی۔ بڑے بڑے علما جہاں سرسری طور پر گزر جاتے تھے، آپ وہیں سے گوہرِ آب دار نکال کر آنکھوں کو خیرہ اور دماغوں کو حیرت زدہ کر دیتے تھے۔۔ حضرت مفتی محمد میاں برکاتی نے رضا شناسی کے حوالے سے ایک چشم دید واقعہ نقل کیا ہے۔ اسے آپ بھی ذیل میں پڑھیے۔

"غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے جب آپ پاکستان تشریف لائے۔ ان دنوں راقم الحروف دار العلوم امجدیہ کراچی میں زیر تعلیم تھا تو تقریباً ہر روز حضرت کی زیارت کا موقع ملتا۔ آپ نے جمعہ کی نماز حضرت استاذی علامہ قاری مصلح الدین صدیقی قادری رضوی برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصرار پر اخوند مسجد کھارادر میں پڑھائی۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہ ان دنوں اخوند مسجد میں خطیب و امام تھے۔ جمعہ کے بعد حضرت قاری صاحب قبلہ نے دعا فرمائی اور مناجات میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ شعر پڑھا۔

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلم کہنے والے غم زدہ کا ساتھ ہو

حضرت قاری صاحب نے لفظ "غم زدہ" میں زاء پر زبر پڑھا۔ حضرت احسن العلما سید حسن میاں صاحب قدس سرہ کے ساتھ نجی محفل میں جب فقیر بیٹھا تو آپ نے فرمایا: "احمد میاں! جو قبلہ قاری صاحب نے آج پڑھا، زاء پر زبر نہیں، پیش ہے۔ اس لیے کہ زبر کے ساتھ معنی ہیں

"غموں کا مارا ہوا"۔ جب نبی خود غموں کے مارے ہوں گے تو فریاد رسی کیسے فرمائیں گے۔؟ زبر کے ساتھ زدن سے بنے گا، جب کہ پیش کے ساتھ غم زُدہ "زدودن" سے بنے گا، جس کے معنٰی ہیں صاف کیا ہوا۔ قلعی کیا ہوا۔ جو شانِ مصطفےٰ کے عین مطابق ہے۔ پھر فرمایا۔ میاں یہ وہ اسرار ہیں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہیں۔

آپ قبلہ قاری صاحب سے عرض کر دیجیے گا۔ فقیر دوسرے دن سبق پڑھتے ہوئے حضرت قاری صاحب سے یہ گفتگو عرض کی تو آپ نہایت خوش ہوئے اور اس بات کو کئی جگہ بیان فرمایا۔ چنان چہ اسی کا اثر ہے کہ آج حضرت استاذی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشیں اور تمام مریدین اس کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس طرح حضور احسن العلما کا فیض کلامِ رضا کی شرح میں عوام تک پہنچا۔ (سیدین نمبر، ص:۹۲۷)

ایک بار بزم قاسمی برکاتی شاخ کان پور کے دفتر میں حضرت نے اپنا مندرجہ ذیل واقعہ بیان فرمایا۔ اس کے راوی حضرت مولانا میکائیل ضیائی ہیں۔ اس مجلس میں حضرت مولانا قاری محمد قاسم صاحب حبیبی برکاتی خطیب جامع مسجد شفیع آباد کان پور سمیت بہت سے حضرات موجود تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ "اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کی شان اقدس میں ایک قصیدہ تحریر فرمایا ہے (جو حدائق بخشش میں موجود ہے) جس کا ایک شعر ہے۔

قادریت ہے چشتیت سے بہم
نگ دو پلکا ہے احمد نوری

اس شعر پر کچھ حاسدین و معاندین نے یہ بات پھیلائی کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے اس شعر میں "نگ دو پلکا" کہہ کر حضرت نوری میاں کی منقبت نہیں منقصت بیان کی ہے۔ میرے کانوں سے جب یہ بات ٹکرائی تو میں سوچنے لگا کہ اعلیٰ حضرت ایسا کس طرح کر سکتے ہیں کہ اپنے پیر یا پیر زادے کی منقصت بیان کریں۔ وہ اعلیٰ ذات جنھوں نے اپنے پیر یا پیر زادوں کے علاوہ مارہرہ شریف کے حجام کی مثالی تعظیم کر کے ساری دنیا کو ایک درس و پیغام دیا ہو وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

چوں کہ "نگ دو پلکا" کی اصطلاح اور اس کی حقیقت سے میں واقف نہیں تھا اس لیے میں اس وقت اس کا خاطر خواہ جواب نہیں دے سکا۔ نتیجہ کے طور پر میرے اندر اس کی تحقیق و تجسس کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ اور میں اس تلاش و جستجو میں رہا کہ کوئی ماہر فن جوہری ملے تو میں اس سے "نگ دو پلکا" کے بارے میں معلومات حاصل کروں کہ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔

بہت دنوں تک میں اس جستجو میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ جب میں پاکستان کے دورے پر گیا تو وہاں بھی لوگوں سے دریافت کرتا رہا کہ کوئی جوہری ہو تو بتاؤ۔ بالآخر کراچی میں پتہ چلا کہ ایک جوہری یہاں ہیں جو فلاں جگہ رہتے ہیں۔ میں اس جوہری سے ملاقات کرنے کی غرض سے اس کی رہائش گاہ پر گیا۔ وہ بڑے خلیق اور ملنسار تھے۔ وضع قطع اور رہن سہن سے شاہانہ وقار جھلکتا تھا۔ گفتگو بڑی شیریں، شستہ اور فصیح اردو میں کر رہے تھے۔ میرے ساتھ کے لوگوں نے میرا تعارف کرایا تو وہ کہنے لگے کہ حضرت نے اتنی زحمت فرمائی آپ حکم فرما دیتے بندہ سر کے بل حاضر خدمت ہو جاتا۔

میں نے کہا ضرورت مجھے تھی اس لیے آپ کو بلانا اچھا نہیں سمجھا میں خود حاضر ہو گیا۔

انھوں نے بڑی انکساری سے کہا بڑی کرم فرمائی اور بندہ نوازی ہے آپ کی۔ آپ حکم فرمائیں میرے لائق کوئی خدمت؟

میں نے پوچھا کہ "نگ دو پلکا" کیا چیز ہوتی ہے آپ بتا سکتے ہیں؟

جوہری نے کہا کس مقصد سے آپ اس کی معلومات چاہتے ہیں کیا میں معلوم کر سکتا ہوں؟

میں نے کہا ایک شعر سمجھنا چاہتا ہوں!

بڑا کرم ہوگا اگر آپ شعر سنا دیں۔ جوہری نے خواہش ظاہر کی۔

میں نے شعر پڑھا۔

قادریت ہے چشتیت سے بہم
نگ دو پلکا ہے احمد نوری

شعر سنتے ہی جوہری اس کی تکرار کرتے ہوئے جھومنے لگے۔ اور کہنے لگے کیا ہی اچھا شعر ہے شاعر بہت بڑا جوہری معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد جوہری نے فرہنگ آصفیہ کے حوالے سے کئی اشعار سنائے جن میں محبوب کے ملے ہوئے ہونٹوں کو نگ دو پلکا سے تشبیہ دی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆.................**(جاری)**

آخری قسط

شیخ محدث عبدالحق دہلوی قدس سرہ کی

لمعات التنقیح شرح مشکاۃ المصابیح

ایک مطالعہ

مولانا محمد صدر الوریٰ قادری مصباحی

پھر ہر جز کے تحت اتنے گوشے ذکر کیے اور ایسی تفصیلی گفتگو کی ہے کہ اسے اس مختصر مضمون میں سمیٹنا مشکل ہے، خود جزوِ ثالث کے تحت نو گوشے ذکر کیے اور ہر ایک کے تحت نہایت مبسوط ایمان افروز کلام فرمایا ہے جس کا تعلق اصل کتاب کے مطالعہ سے ہے۔

ان میں صرف ساتواں گوشہ نذر قارئین کیا جاتا ہے، حضرت شیخ قدس سرہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

جملۂ ثانیہ "وإنما لامرئ مانوی" سے اس امر کا افادہ ہوا کہ کوئی عمل جب خیر کی متعدّد جہات اور اس کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہو تو عمل کرنے والے کو ان میں اسی پہلو اور اسی جہت کا ثواب ملے گا جس کی وہ نیت کرے، دوسری جہات اور دوسرے پہلوؤں کا ثواب نہیں ملے گا جن کی وہ نیت نہ کرے، مثلاً قریبی فقیر کے دو پہلو ہیں ایک جہت قرابت، دوسرا جہت فقر، اب اگر کسی نے قریبی فقیر کو فقر کی جہت سے عطا کیا اور اس کے دل میں قرابت کا خیال نہ آیا تو اسے صرف صدقہ کا ثواب ملے گا، قرابت دار کے ساتھ صلہ رحمی کا ثواب نہیں ملے گا، اور اگر محض قرابت داری اور صلہ رحمی کی بنا پر عطا کیا اور اس کی حیثیت فقر کا خیال دل میں نہیں آیا تو اسے صرف صلہ رحمی اور قرابت داری کا ثواب ملے گا، اور صدقہ کا ثواب نہیں ملے گا، اور اگر حیثیت فقر اور صلہ رحمی دونوں کی نیت کرے تو اسے دونوں کا ثواب ملے گا، اس طرح ایک آدمی کو بواسطۂ نیت ایک عمل میں گوناگوں ثواب حاصل ہو سکتے ہیں اور نیت کر کے وہ ان تمام ثوابوں کی ذخیرہ اندوزی اپنے نامۂ اعمال میں کر سکتا ہے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے مگر بذریعۂ نیت خیرات کثیرہ اور حسنات متعدّدہ کا حصول ممکن ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

۱- مسجد خانہ خدا ہے اور مسجد میں داخل ہونے والا رب تعالیٰ کے زائر کے حکم میں ہے، لہٰذا مسجد میں آنے والا اپنے رب کریم کی زیارت کی اس امید کے ساتھ نیت کرے کہ وہ ضرور اپنا وعدہ وفا کرے گا کہ روایت میں ہے کہ جو مسجد میں بیٹھا اس نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اور جس کی زیارت کی جائے اس پر حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے زائر کا اعزاز و اکرام کرے۔

۲- جماعت سے نماز ادا کرنے کا انتظار، حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آدمی جب تک نماز کے انتظار میں ہے اس وقت تک وہ نماز ہی میں ہے، اور یہی بعض مفسرین کے نزدیک مرابط کا معنی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دیا گیا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوا۔

(الِ عمران، ۲۰۰)

اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو۔

اور حدیث صحیح میں آیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمھیں اس کی رہنمائی نہ کردوں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند فرماتا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: مکارہ میں کامل وضو کرنا، مساجد کی طرف قدموں کی کثرت اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا، تو یہ جہاد ہے، اور کفارات ذنوب میں آیا ہے مسجد میں ٹھہرنا۔

۳- آنکھ، کان اور دیگر اعضا کی محظورات و منہیات سے حفاظت کا قصد جیسا کہ پرہیزگار مومن کی شان ہے اور اس مقصد کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد جیسی مقدس جگہ ہو جہاں تمام اعضائے جسم کی گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے جس کا تصور عام طور پر بازاروں اور راستوں میں نہیں ہے، اور احادیث میں آیا ہے کہ مسجد ہر متقی کا گھر ہے۔

۴- اطمینان قلب اور حضور مع اللہ اور پریشاں قلبی سے نجات جس کا حصول مسجد کے علاوہ دوسری جگہ نہیں ہوتا، اور روایت میں آیا ہے کہ مسجد میں مومن ایسے ہی ہے جیسے پانی میں مچھلی۔

۵- اعتکاف کی نیت: علما فرماتے ہیں کہ آدمی جب بھی مسجد میں آئے اعتکاف کی نیت کر لے کہ اعتکاف کے لیے ایک ساعت بھی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

کافی ہے اور اس کے لیے روزہ کی شرط نہیں ہے، لہٰذا اسے اعتکاف کا ثواب ملے گا اور اس کے لیے مسجد میں بعض وہ اعمال بھی جائز ہوں گے جو غیر معتکف کے لیے جائز نہیں ہیں، یہ عمل نہایت آسان ہے مگر اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

۶- مسجد میں داخل ہونے اور نکلتے وقت درود شریف پڑھنا سنت ہے، جب مسجد میں جائے گا اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے گا تو اسے درود شریف پڑھنے کا ثواب ملے گا، اور اس کے ساتھ جو دعائیں ماثور و منقول ہیں انھیں پڑھے گا تو ان کا ثواب بھی ملے گا۔

۷- اللہ جل شانہٗ کے ذکر یا کسی دوسرے سے ذکر الٰہی سننے یا قول و عمل کے ذریعہ دوسرے کی تذکیر و ترغیب کے لیے تجرد و یکسوئی، احادیث میں آیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے یا کسی کی تذکیر کے لیے مسجد کی طرف نکلا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

۸- حج و عمرہ کا ثواب: حدیث شریف میں آیا کہ جس نے وضو کیا پھر وہ مسجد گیا اور وہاں نماز ادا کی تو اس کے لیے حج و عمرہ کا ثواب ہے۔

۹- تعلیم و تعلم یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قصد کیوں کہ مسجد میں مختلف قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے وہاں یہ عمل بآسانی انجام پا سکتا ہے۔

۱۰- کسی دینی بھائی کی زیارت اور اس کی صحبت سے فائدہ اٹھانے اور برکت حاصل کرنے کا قصد و ارادہ۔

۱۱- مسجد میں موجود مسلمانوں یا مسجد میں آنے والے نمازیوں کو سلام کرنے یا ان کے سلام کا جواب دینے کا قصد و ارادہ۔

۱۲- احوال نفس اور امور آخرت میں غور و فکر کرنے، توبہ و استغفار، لہو و لعب اور دنیا و لا یعنی باتوں کے ذکر سے احتراز کے لیے فراغت حاصل کرنا۔

اس کی دوسری مثال خوشبو لگانا بھی ہے خواہ جمعہ کا دن ہو یا کوئی اور دن ہو، کیوں کہ خوشبو لگانے میں اتباع سنت ہے نبی اکرم ﷺ کو خوشبو بہت محبوب تھی، تعظیم مسجد اور خود اپنی ذات اور دوسرے سے اذیت ناک بدبو کو دور کرنا اور ملائکہ و بنی آدم کو راحت پہنچانا، غیبت کا سد باب، دماغ کا علاج، ذکاوت و فطانت کی زیادتی اور علوم دینیہ کا ادراک اس طرح کثیر مقاصد خیر کا قصد و ارادہ اس میں شامل ہو سکتا ہے، خوشبو لگانے والا اگر ان امور کی نیت کرے تو اسے ثواب ملے گا اور عادت عبادت میں تبدیل ہو جائے گی، اور اگر محض جسمانی لذت اور نفسانی خواہش کے لیے خوشبو لگائے تو ثواب سے محروم رہے گا۔ اس طرح سے کثیر اعمال و نیات ہیں جن کا استنباط اہل نیت اور ارباب ذکاوت پر مخفی نہیں ہے۔

(لمعات التنقیح، ج:۱، ص:۶۹،۷۰)

اس طرح لمعات میں بہت سارے مقامات ہیں جہاں حضرت شیخ محقق قدس سرہ نے قیمتی افادات اور لطیف نکات بیان کیے ہیں جن سے قلب مومن کو تازگی ملتی ہے۔

احادیث کے درمیان تطبیق اور رفع تعارض:

جہاں بظاہر احادیث کے درمیان تعارض ہوتا ہے، حضرت شیخ محقق قدس سرہ ان احادیث کی ایسی توجیہ اور ان کے درمیان ایسی تطبیق فرماتے ہیں جس سے کوئی تعارض نہیں رہ جاتا اور ہر حدیث معمول بہ ہو کر برقرار رہتی ہے، رفع تعارض کی کچھ مثالیں نذر قارئین کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے؟ ارشاد فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ ارشاد فرمایا: والدین کی اطاعت، میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے یہ باتیں بیان فرمائیں اور اگر میں مزید سوال کرتا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید جواب عطا فرماتے۔ (کتاب الصلوۃ، الفصل الاول)

حضرت شیخ محقق قدس سرہ فرماتے ہیں کہ افضل اعمال کے بارے میں احادیث کے درمیان بظاہر تعارض و اختلاف ہے، ایک حدیث میں آیا ہے:

اسلام کا سب سے بہتر عمل بھوکے کو کھانا کھلانا، اور سلام کو عام کرنا اور رات میں اس وقت نماز پڑھنا ہے جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ مسلمان اس کے ہاتھ اور اس کی زبان سے محفوظ رہیں۔

ایک حدیث میں ہے:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے، اور ذکر الٰہی سب سے بہتر عمل ہے۔

کسی حدیث میں ہے: سب سے افضل عمل وہ جہاد ہے جس میں خیانت نہ ہو اور حج مبرور- اور یہ بھی آیا ہے: سب سے عمدہ اور خوب صورت عمل حج مبرور ہے۔

اس قسم کی کثیر حدیثیں ہیں، ان احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کے تعلق سے جو کچھ علما نے فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مختلف جوابات اس وجہ سے صادر ہوئے کہ مسائل مختلف قسم کے تھے تو جیسا سائل تھا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی اعتبار سے جواب ارشاد فرمایا۔ قوم کو جیسی ضرورت تھی جس میں انھیں رغبت تھی جوان کے لیے مناسب تھا، نبی کریم ﷺ نے ان کو اسی کی رہنمائی فرمائی۔ یا یہ مختلف جوابات اوقات اور زمانے کے اختلاف کی وجہ سے صادر ہوئے۔ چناں چہ ابتداے اسلام میں جہاد سب سے افضل عمل تھا، اور متعدّد نصوص احادیث اس بارے میں آئے ہیں کہ نماز صدقہ سے افضل ہے، اور اس کے باوجود مضطر کی غم خواری اور مدد کے وقت صدقہ کرنا افضل ہوگا۔ یا افعل التفضیل سے مطلق فضل و زیادتی مراد ہے کسی دوسرے عمل کے لحاظ سے فضل و زیادتی مراد نہیں ہے، یہ سب اقوال علما تھے۔

ان اقوال کو بیان کرنے کے بعد حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں:

بہتر جواب یہ ہے کہ ان میں ہر عمل اپنے باب میں دوسرے اعمال سے افضل ہے، چناں چہ رات میں نماز پڑھنا عبادت بدنیہ کے باب میں افضل ہے، غم خواری اور جود و سخا کے باب میں صدقہ کرنا افضل ہے، تواضع وانکساری کے باب میں سلام عام کرنا افضل ہے، اعلاے کلمۃ اللہ اور پرچم دین بلند کرنے کے باب میں جہاد کرنا افضل ہے، اسی پر باقی کا قیاس کر لینا چاہیے۔ (لمعات التنقیح، ج:۲، ص:۲۱۵)

(۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر.

صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔

(ترمذی، باب فضائل الصلوٰۃ ، الفصل الثانی)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے، اس کے بر خلاف زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے: صلوٰۃ وسطیٰ، نماز ظہر ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: صلاۃ وسطیٰ نماز فجر ہے۔

اس مسئلے میں ایک طرف احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں جو اس بارے میں صریح ہیں کہ صلاۃ وسطیٰ نماز عصر ہے، دوسری طرف اقوال صحابہ ہیں جو نماز ظہر یا نماز فجر کو صلاۃ وسطیٰ قرار دیتے ہیں۔

حضرت شیخ محقق قدس سرہ اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

احادیث صحیحہ مرفوعہ نے اس بارے میں سارا نزع ختم کر دیا، کیوں کہ احادیث صحیحہ کے بعد اقوال صحابہ حجت نہیں ہو سکتے، ایسا ہو سکتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے یہ اقوال ان کے اجتہاد پر مبنی ہوں، جب تک اس تعلق سے صحابۂ کرام نے نبی اکرم ﷺ سے حدیث نہیں سنی اور ان تک حدیث نہیں پہنچی اس وقت تک انھوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر ظہر یا فجر یا کسی اور نماز کے تعلق سے کہا کہ وہی صلاۃ وسطیٰ ہے، اور جب انھوں نے صلاۃ وسطیٰ کے بارے میں سرکار ﷺ سے حدیث سن لی کہ وہ عصر کی نماز ہے اور ان تک یہ حدیث پہنچ گئی تو سب نے اپنے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اس بات کے قائل ہو گئے کہ صلاۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔

علماے شافعیہ میں ماوردی نے کتنی اچھی بات کہی فرمایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صلاۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے، جب کہ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ عصر کی نماز ہے، لہٰذا اب یہی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب قرار پائے گا کیوں کہ خود امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

إذا صح الحديث فهو مذهبي واضربوا بمذهبي علی عرض الحائط.

جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے اور میرا مذہب دیوار پر مار دو۔ (لمعات التنقیح، ج:۲، ص:۲۶۸)

ناسخ اور منسوخ کا امتیاز:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر دو متعارض حدیثوں میں ایک حدیث منسوخ اور دوسری حدیث ناسخ ہوتی ہے، مگر ناسخ و منسوخ کی معرفت ایسا اہم اور مشکل ترین فن ہے کہ امام ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أعيا الفقهاء وأعجزهم أن يعرفوا ناسخ حديث رسول الله ﷺ من منسوخه۔“

علما اور فقہا کو احادیث نبویہ میں ناسخ و منسوخ کی معرفت نے عاجز کر کے رکھ دیا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ کو علم ناسخ و منسوخ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ناسخ و منسوخ کی معرفت کے متعدّد اقسام ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی تصریح سے جانا جائے کہ ناسخ کیا ہے، منسوخ کیا ہے جیسے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها۔ میں نے

تمھیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب تم لوگ زیارت قبور کرو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ قول صحابی سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ناسخ ہے وہ منسوخ ہے، جیسے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

كان الماء من الماء رخصة في أول الاسلام ثم نهي عنها۔

انزال سے وجوب غسل کا حکم ابتداے اسلام میں رخصت کے طور پر تھا پھر اس سے منع کیا گیا۔

اور جیسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

كان آخر الأمرين من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ترك الوضوء مما مست النار۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو امروں میں آخری امر یہی تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہ فرمایا:

تیسری قسم: تاریخ سے ناسخ و منسوخ کی معرفت حاصل کی جائے، مثلاً حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

أفطر الحاجم والحجوم۔

فصد کھولنے والا اور جس کا فصد کھولا جائے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔

جب کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں فصد کھلوایا۔

ان حدیثوں کے تعلق سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ دوسری حدیث پہلی حدیث کے لیے ناسخ ہے کیوں کہ حضرت شداد بن اوس کی حدیث میں یہ ہے کہ فتح مکہ کے زمانے میں وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماہ رمضان میں ایک شخص کو پچھنا لگواتے دیکھا تو فرمایا: پچھنا لگانے والا اور لگوانے والا دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھ کر احرام کی حالت میں فصد کھلوایا اس سے معلوم ہوا کہ پہلی حدیث ۸ھ فتح مکہ کے سال کی ہے اور دوسری حدیث ۱۰ھ حجۃ الوداع کے سال کی ہے۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ اجماع سے ناسخ و منسوخ کی معرفت ہو جیسے چوتھی بار میں شراب پینے کو قتل کرنے کی حدیث اس کا منسوخ ہونا اجماع سے معلوم ہوا۔

(مقدمہ ابن الصلاح النوع الرابعُ الثلٰثون، ص:۱۳۹، ۱۴۰)

لمعات التنقیح کا مطالعہ علوم حدیث کے تمام گوشوں سے صرف نظر کر کے صرف علم ناسخ و منسوخ کی حیثیت سے کیا جائے جب بھی مبسوط مقالہ تیار ہو جائے گا، کیوں کہ حضرت شیخ قدس سرہ نے جہاں بھی بظاہر متعارض احادیث کے بارے میں ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے وہاں علم ناسخ و منسوخ کے اقسام کو پیش نظر رکھا ہے اور ان اقسام کی روشنی میں ہی یہ حکم لگایا ہے کہ یہ حدیث ناسخ ہے وہ حدیث منسوخ ہے، اور ہر قسم کے تعلق سے شواہد و امثال پیش کیے جاسکتے ہیں مگر تنگی دقت دامن گیر ہے اس لیے محض ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ میں جاتے تو دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین سے اٹھاتے۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ)

جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی سجدہ کرے تو اس طرح نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے۔

(ابو داؤد، نسائی، دارمی، مشکاۃ المصابیح، باب السجود و فضلہ، الفصل الثانی)

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض ہے، بعض لوگوں نے یہاں ترجیح کی صورت اختیار کی اور کہا کہ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے زیادہ ثابت و قوی ہے، حضرت شیخ محقق قدس سرہ نے بھی ترجیح کی صورت ذکر کی مگر اس کے بعد نسخ کی صورت ذکر فرمائی اور فرمایا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: کہ ہم سجدہ میں جانے کے وقت دونوں گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھتے تھے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں دونوں ہاتھوں سے پہلے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کا حکم دیا۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے لیے ناسخ ہوگی۔

(لمعات التنقیح، ج:۳، ص:۱۷۵)

یہاں حضرت شیخ قدس سرہ نے علم ناسخ و منسوخ کی قسم ثانی کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان دو متعارض حدیثوں میں ایک حدیث ناسخ اور دوسری منسوخ ہے۔

رفع اشکال:

اگر کسی حدیث پر ظاہری مفہوم کے اعتبار سے کوئی اشکال لازم آتا ہے تو اس کا ایسا ایمان افروز حل حضرت شیخ قدس سرہ نے پیش فرمایا ہے جس سے ایمان کی تازگی کے ساتھ اشکال مکمل طور سے دور ہوجاتا ہے، اس کی بھی کچھ مثالیں نذر قارئین کی جاتی ہیں:

۱- حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! روے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا: مسجد حرام، میں نے عرض کیا: پھر کون مسجد بنائی گئی؟ فرمایا: پھر مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کیا: دونوں کے درمیان کتنا زمانہ ہے؟ فرمایا: چالیس سال، پھر پوری روے زمین تمھارے لیے مسجد ہے تو جہاں بھی نماز کا وقت ہوجائے نماز پڑھ لو۔ (بخاری، مسلم، مشکاۃ المصابیح، باب المساجد و مواضع الصلاۃ، الفصل الثالث)

حضرت شیخ محقق قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ کعبۂ اطہر کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی ہے اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمائی ہے اور دونوں نبیوں کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا زمانہ حائل ہے، پھر مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان صرف چالیس سال کا ہی فاصلہ کیسے رہا؟

اس اشکال کا جواب یہ دیا کہ حدیث شریف میں دونوں مسجدوں کی تعمیر کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ ان مسجدوں کے آغاز بنا اور ان کی بنیاد رکھنے کی طرف اشارہ ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے کعبۂ اطہر کی بنیاد نہیں رکھی ہے اور نہ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہے، کیوں روایات سے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ کعبۂ اطہر کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی ہے، پھر آپ کی اولاد روے زمین پر پھیل گئی تو ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کی اولاد میں کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہو، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی، اور اس امر کی شہادت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ ابن ہشام نے ''کتاب التیجان'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبۂ اطہر کی تعمیر فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بیت المقدس جانے اور اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور بیت المقدس کی تعمیر فرمائی اور اس میں عبادت کی، اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت المقدس تعمیر کرنا مشہور ہے۔

اس طرح حدیث شریف اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس کے معنی میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے، کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہی پہلے خانۂ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کی تعمیر فرمائی ہے۔ لہٰذا دونوں کے درمیان چالیس سال کا زمانہ جو حدیث شریف میں مذکور ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ (لمعات التنقیح، ج:۳، ص:۱۷۴)

۲- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس منبر کی لکڑیوں پر فرماتے ہوئے سنا:

من قرأ آية الكرسي في دبر كل صلاة لم يمنعه من دخول الجنة إلا الموت الخ۔ (مشکاۃ المصابیح، باب الذکر بعد الصلاۃ، الفصل الثالث)

جو ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اسے جنت میں جانے سے سوائے موت کے کوئی چیز نہیں روکتی۔

یہاں اشکال یہ ہے کہ ظاہر کا تقاضا یہ تھا کہ یہ کہا جاتا کہ جنت میں جانے سے سوائے حیات کے کوئی چیز مانع نہیں کیوں کہ حیات ہی دخول جنت سے مانع ہے اور موت تو جنت میں جانے کا سبب و وسیلہ ہے؟

حضرت شیخ محقق قدس سرہ اس اشکال کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ موت سے مراد یہاں دنیاوی فانی زندگی ہے جو موت پر ختم ہوجائے گی۔ یہ جواب نہایت کمزور بعید از فہم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد موت کا موخر ہونا اور فی الحال اس کا نہ آنا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ موت سے مراد ہے قبل بعث بندے کا قبر میں ہونا اور جب اسے قبر سے اٹھایا جائے گا تو جنت میں داخل ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ دنیا ہی میں جنت کے دخول عاجل یعنی فی الفور جنت میں جانے سے مانع موت کا وجود اور موت کا دخول جنت کی شرط ہونا ہے، کیوں کہ دخول جنت مؤجل ہے اس کا ایک وقت مقرر ہے جو آخرت میں ہوگا اور اگر موت کا وجود نہ ہوتا اور دخول جنت کے لیے موت شرط نہ ہوتی تو وہ ابھی جنت میں داخل ہوجاتا۔ لہٰذا اس حدیث شریف میں حیات ہی میں جنت میں دخول عاجل مراد ہے، اور اس تقدیر پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لازمی طور پر موت نہ آتی اور ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا نہ ہوتا تو آیت الکرسی کی تلاوت کرنے والا ابھی جنت میں چلا جاتا۔ لیکن اگر وہ دنیا میں حیات ہی میں جنت میں چلا جاتا تو كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ کی وجہ سے اس پر جنت میں موت طاری ہوتی۔ حالاں کہ جنت موت کی جگہ نہیں ہے، یا پھر جنت میں جانے کے بعد اسے جنت سے نکلنا پڑتا۔ اس اعتبار سے آیت الکرسی کی تلاوت کرنے والے کے

لیے دخول جنت موئخر و موجل ہوا۔
حضرت شیخ محقق قدس سرہ اس تیسری توجیہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ میرے ولد اعز نور الحق اطال اللہ عمرہ و دام فضلہ کی افادات سے ہے۔
علامہ طیبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ موت اس شخص کے درمیان اور دخول جنت کے درمیان حاجز اور رکاوٹ ہے جب موت کا وقوع ہوگا تو جنت حاصل ہوگی۔ اور شرح الشیخ میں ہے کہ موت اس کے اور دخول جنت کے درمیان حاجز ہے اور جب موت واقع ہوگی تو اس آیت کریمہ کی پابندی کے ساتھ تلاوت کی وجہ سے وہ جنت میں جائے گا۔
(لمعات التنقیح، ج:۳، ص:۲۲۰)

یہ لمعات التنقیح کی پہلی، دوسری اور تیسری جلدوں جو دستیاب ہیں ان سے چند گوشے نذر قارئین کیے گئے، ان سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ شرح کس قدر جامع ہے اور اس کے صفحات کتنے قیمتی اور بیش بہا علوم و معارف پر مشتمل ہیں، واضح رہے کہ یہ ابتدائی تین جلدیں بھی بہت کم یاب ہیں جن میں پہلی جلد کی اشاعت جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے طلبۂ فضیلت نے ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء میں راقم الحروف کی تخریج کے ساتھ کی ہے وہ فراہم ہے بہر کیف یہ کتاب ایک اہم علمی سرمایہ ہے جو نئی تخریج و تحقیق کے ساتھ منظر عام پر آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

ص:۱۳ر کا بقیہ..........

یہ تو ایسا ہی ہو گیا کہ اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کی مرضی کے خلاف اس کے دیئے ہوئے پیسے استعمال کرے تو باپ اس کے خلاف چوری کی رپورٹ لکھوا دے جب کہ ایسا قطعی نہیں ہے تو جس طرح ہم اس معاملہ کو چوری سے تعبیر نہیں کر سکتے اگر چہ کوئی دوسرا نام اسے دے دیں اسی طرح بیوی کی مرضی کے خلاف تعلقات بنانے کو عصمت دری سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے اگر چہ اسے کوئی دوسرا نام دے دیا جائے۔

نیز اس قانون کی حمایت کرنے والوں کو صرف اس کا ایک مثبت پہلو نظر آرہا ہے اور اس کے جو مضر اور منفی پہلو ہیں وہ انہیں نظر نہیں آرہے ہیں یا آبھی رہے ہیں تو جان بوجھ کو وہ ان کو نظر انداز کر رہے ہیں اس قانون کے بننے کے بعد شوہر اور شوہر کے گھر والے کس قدر دباؤ میں رہیں گے اس کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ کوئی مقابلہ کا رشتہ نہیں ہے کہ جس میں ذرا سی اونچ نیچ ہوتے ہی فریقین ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو جائیں اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے لگیں یہ ایثار اور رواداری کا رشتہ ہے جس میں کبھی شوہر اپنے جذبات کو قربان کرتا ہے تو کبھی بیوی اپنے جذبات کو دبا کر شوہر کی مرضی کے مطابق کام کر دیتی ہے اور اس طرح میاں بیوی ایک دوسرے کی روح میں اترتے چلے جاتے ہیں پتہ نہیں اتنی موٹی سی بات ہماری سمجھ میں کیوں نہیں آرہی ہے۔

ہاں اس سے نیچے اتر کر اس مسئلہ پر بات ضرور ہو سکتی ہے کہ اگر بیوی کو کوئی پریشانی ہے یا اس وقت وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہے اس کے باوجود شوہر زبردستی اس سے تعلقات بنائے تو اخلاقی اعتبار سے شوہر کی یہ بات بالکل غلط ہے جس کی مذمت ہونا چاہیے یا پھر یہ کہ وہ تشدد پر آمادہ ہے تو پھر یہ معاملہ تشدد کے خانے میں جائے گا اور اسے اسی انداز میں نپٹا جائے گا شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے جذبات کا پورا خیال رکھے اور اگر اسے اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو اسلام بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ بیوی کی دکھ تکلیف اور اس کی مرضی کا خیال بہر حال رکھا جائے تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ یہ معاملہ کرے ورنہ دونوں طرف سے نفرت کے پیدا ہونے کا شدید امکان ہے۔

خیر ہم اس قانون کی حمایت کرنے والوں سے پورے خلوص کے ساتھ یہ گزارش کریں گے کہ برائے مہربانی ہمارے ہندوستان میں مشرقی تہذیب کو زندہ رہنے دیں، ہمارے رشتوں میں مغربی خود غرضی کو شامل کر کے یہاں کا ماحول پراگندہ کرنے کی کوشش نہ کریں یہ قانون کسی جہت سے خاندانی فلاح و بہبود کے حق میں نہیں ہے بلکہ اس سے خاندانوں کے بکھرنے کے امکانات بہت حد تک بڑھ سکتے ہیں اور "دہیز پرتھا" سے زیادہ اس قانون کے استحصال کا امکان رہے گا خوشی اس بات کی ہے کہ اس قانون کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کی تعداد بھی موجود ہے جو مذکورہ خدشات کی بنیاد پر اس قانون کے خلاف ہیں اس لیے اس قانون کا پاس ہونا دشوار ہے۔ ☆☆

مطلقہ عورتوں کے نان ونفقہ کا شرعی حکم اور
سپریم کورٹ کے فیصلے

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

دینی وملی تنظیموں کی اہم ذمہ داری :

دینی وملی تنظیموں ، مذہبی اداروں ،مسلم دانشوروں اور ملی رہنماؤں بالخصوص مسلم پرسنل لاء بورڈ جو، مسلمان کی ایک آواز ہے اور جن کا خاص مقصد شریعت کا تحفظ کرنا ہے یہ اہم ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس طرح کے فیصلوں کے آنے کے بعد خاموش اور چپ چاپ نہ بیٹھیں بلکہ ان کی مخالفت میں ہر چہار جانب سے صدائے احتجاج بلند کریں، مرکزی حکومت سے رجوع کریں ان سے باضابطہ مکالمہ کرکے ان پر مکمل طور پر دباؤ ڈالیں کہ وہ پارلیمنٹ میں سپریم کورٹ کے ان فیصلوں کے خلاف بل اور ایکٹ پاس کرکے سپریم کورٹ کے سامنے ان کو دوبارہ پیش کرے ،جیسا کہ شاہ بانو مقدمے میں آنجہانی راجیو گاندھی نے "مسلم تحفظ حقوق مطلقہ خواتین ایکٹ" پاس کرکے سپریم کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دیا تھا شاہ بانو مقدمے میں جو قانونی پیچیدگی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے بار بار اور مسلسل اس طرح کے فیصلے آرہے ہیں ضرورت ہے کہ قانون کے ماہرین اس کے ازالہ کے لیے بھی کوئی قانونی لائحہ عمل تیار کریں اور کوئی مضبوط اور ٹھوس قدم اٹھائیں تاکہ آئندہ عدالت کا اس طرح کا فیصلہ سامنے نہ آئے مسلمانوں کے دینی جذبات مجروح نہ ہوں ۔اور ان کی مذہبی آزادی کے ساتھ کوئی کھلواڑ نہ ہو

سپریم کورٹ کا مذہب اسلام پر حملہ :

اس طرح کے فیصلوں سے سپریم کورٹ کا مقصد مذہب اسلام پر حملہ اور اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانا ہے، نیز مسلمانوں میں سماجی ہلچل پیدا کرنا ہے جیسا کہ شاہ بانو مقدمے کے اس وقت کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس " چندر چوڑا" کے اس بیان سے ہوتا ہے جو انہوں نے شاہ بانو مقدمہ کے فیصلہ آنے کے سات مہینے بعد دیا تھا اور اس وقت کے مشہور اخبار ہندوستان ٹائمز میں ان کا یہ بیان شائع ہوا تھا۔"

سپریم کورٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے فیصلے میں " ریویو" کرے لیکن اس مقدمہ پر ریویو نامناسب ہے کیوں کہ یہ فیصلہ سماج سدھار کی اور قانون کی یاترا کی ایک اہم ترین حادثہ ہے اس فیصلے سے سماجی ہلچل پیدا ہوئی ہے جس میں اس کو کالعدم کرنے کے لیے کوئی نمایاں وجوہات نہیں بتائی گئی ہیں ،اگر سماج کے ایک حصہ کو یہ فیصلہ پسند نہیں ہو تو دوسرے حصہ کے بارے میں کیا ہوگا۔"

(ہندوستان ٹائمز ۲۸ نومبر ۱۹۸۵ء)

پتہ نہیں سابق چیف جسٹس سماج کے کس دوسرے حصہ کا حوالہ دے رہے ہیں ؟ جب کہ یہ خالص مسلم پرسنل لا کا مدعا ہے دوسرے لوگوں سے متعلق نہیں ہے اور اگر دوسرے حصہ سے ان کی مراد عورتیں ہیں تو ان کو سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے تعلق سے مسلم عورتوں کے نظریات کی معلومات نہیں ہے چند عورتوں کی حمایت میں فیصلہ کر دینے سے یہ ضروری نہیں کہ ملک کی تمام عورتوں کے رجحانات اور خیالات بھی ان کی حمایت میں ہو جائے۔

حدیث شریف کا غلط مفہوم :

اس کے آگے انہوں نے مذہب اسلام کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور اسلام پر حملہ کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ " اسلام کا خطرناک مقصد عورت کا درجہ کم کرنا ہے "پھر اس سلسلے میں حدیث شریف کا حوالہ دیا ذرا آپ بھی دیکھیں کہ یہ کس قسم کے ریمارکس ہیں " پیغمبر نے کہا عورت ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے اور اگر آپ اسے سیدھے

استاذ ومفتی ادارۂ شرعیہ اترپردیش، رائے بریلی
kamalmisbahi786@gmail.com

موڑنے کی کوشش کریں گے تو یہ ٹوٹ جائے گی لہذ اپنی بیویوں کے اچھا برتاؤ کیجیے "گویا اس حدیث کا انھوں نے یہ سمجھ کر حوالہ دیا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا درجہ کو گرانے کے لیے عورتوں کی حقارت کے لیے یہ حدیث شریف ہے،

جب کہ حدیث کا سیاق و سباق یہ بتلا رہا ہے کہ یہ حدیث عورتوں کے متعلق مردوں کو وصیت کرنا مقصود ہے، یہ ایک مستند حدیث ہے اور حدیث کی معتبر کتابیں بخاری و مسلم دونوں میں باب الوصیات نساء یعنی عورتوں کے متعلق وصیت میں ہے، یہ عنوان خود اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو عورتوں سے متعلق جو وصیت کی ہیں اسی سے متعلق یہ حدیث ہے، پسلی سے مشابہت محض مثال ہے اور قرآن و حدیث میں اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں جن کے ذریعے سے اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو سمجھایا ہے اس سے عورتوں کی حقارت قطعًا مقصود نہیں ہے، جس مذہب نے عورتوں کا مقام و مرتبہ کو بلند کیا، ان کے حقوق کی تعلیم دے کر ان کو ذلیل و رسوا ہونے سے بچایا، جس مذہب میں عورت کو ایک پاکیزہ تحفظ دینے کی بات ہو، سچ تو یہ ہے عورت کو اسلام میں جتنا مرتبہ و عظمت حاصل ہے ویسا کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے لیکن اسی کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اسلام کا خطرناک مقصد عورت کا درجہ کم کرنا ہے، اس مثال سے صرف عورتوں کی نزاکت طبع کی طرف اشارہ ہے کہ عورتیں فطری طور پر بڑی نازک مزاج اور طبیعت کی ہوتی ہیں، ان کی نزاکت طبع کا خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نزاکت تمھاری نظروں سے اوجھل ہو جائے اور تم ان پر زبردستی دباؤ ڈال کر ان کو سیدھا کرنا چاہو تو وہ ٹوٹ سکتی ہیں لیکن سیدھی نہیں ہو سکتیں۔

یہ حدیث شریف جس میں عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ، ان کے ساتھ بہتر حسن سلوک اور ان کی خیر خواہی کی تعلیم دی گئی ہے اس کا غلط مطلب اور اسکی غلط تشریح بیان کر کے جسٹس صاحب نے حدیث شریف پر تنقید کی ہے۔

تیلی کا کام جب تنبولی کرنے لگتا ہے تو معاملہ گڑبڑ ہو جاتا ہے، ایک بڑھئی کو اگر آپ کسی پُل کا ڈیزائن کرنے کے لیے انجینئر کا درجہ دے دیں تو ظاہر ہے کہ وہ پُل کیسے تیار کرے گا اسی طرح جو آدمی اسلامی اصول و ضوابط سے واقف نہیں ہے اس کی تاریخ نہیں جانتا ہے اسلام کے مزاح اور کلچر کا جسے کچھ بھی علم نہیں ہے وہ اگر قرآن و حدیث کا حوالہ دے اور اسکی تشریح کرے تو کیا ہو گا؟ اگر چیف جسٹس صاحب کو مذہب اسلام میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ اور حسن سلوک کا کچھ بھی علم ہوتا تو اس طرح کی باتیں وہ ہرگز نہیں کرتے

آگے ایک مفتی اور مجتہد کے روپ میں مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں " مقدس قرآن کے حکم کے مطابق عدالت کے ذریعہ اس قانون کی وضاحت کی جانی چاہیے " (مصدر سابق)

اب دارالقضا کے تمام قاضیوں، دارالافتاء کے تمام مفتیوں اور مدارس اسلامیہ کے علما و فقہا کو اپنا اپنا دفتر بند کر دینا چاہیے، اب کسی کی ضرورت نہیں ہے، جسٹس چندر چوڑ جیسے لوگ ایک عظیم مفتی اور ایک عظیم محقق کے روپ میں قرآن و حدیث کی وضاحت اور اسکی تشریح کے لیے موجود ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو چوبیس گھنٹے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ گزارے، جنھوں نے اٹھتے بیٹھتے صاحب قرآن کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا وہ مفسرین جنھوں نے ایک ایک آیت کا مطلب معلوم کرنے میں اپنی پوری زندگی کھپا دی، وہ مجتہدین جنھوں نے مسائل شرعیہ کے استنباط میں اپنی پوری زندگی وقف کر دیں چیف جسٹس کے بقول وہ قرآن شریف کے مفاہیم اور مطالب کو سمجھ نہ سکے اور یہ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں اور اس کی وضاحت بھی کر رہے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کوئی خاص طبقہ بنا ہو، قرآن ہر ایک کے لیے مشعل راہ اور کتاب رہنما ہے، یہ عام لوگوں کی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے اور خطاب عام ہے " پڑھو اور فکر کرو" لیکن سمجھنے کی الگ الگ استعداد اور صلاحیتیں ہوتی ہیں، ایک شخص جس نے قرآن کا دو جز پڑھ لیا ہو اس کا فہم و ادراک اور اس کا جس کی پوری زندگی قرآن کے سمجھنے میں گزری بھی ہو مسائل کی تلاش و جستجو میں زندگی کے سارے لمحات وہ گذارے ہوں ان کی برابری کیسے کر سکتا ہے؟ ان دنوں کے فہم و ادراک میں آسمان و زمین کا فرق ہے، اسی لیے تو قرآن و حدیث کی تفسیر و توضیح کا حق کسی

ایسے شخص کو نہیں دیا جاسکتا جو اس سے پوری طرح واقف نہ ہو ورنہ ان کتابوں میں خرد و برد ہونے لگے گا لوگ ان میں اپنی رائے اور مرضی شامل کرکے ان کا ناجائز استعمال کرنے لگیں گے۔

اگر اس چیف جسٹس کی طرح لوگ قرآن کی وضاحت کریں گے تو آج یہ کہہ رہے ہیں کل وہ یہ بھی کہہ دیں گے قرآن میں ختنہ کرانا کہیں نہیں ہے لہٰذا مسلمان ختنہ کروانا بند کردیں، قرآن میں مردے دفن کرنا کہیں نہیں ہے مسلمان مردوں کو دفن کرنا بند کردیں اور مردوں کو جلائیں، مسلمان نماز کے لیے اذان کیوں دیتے ہیں اور بار بار اللہ اکبر کہتے ہیں اسے بھی بند کردیں، اور بعید نہیں کہ کبھی نماز بند کردینے کے لیے بھی کہہ دیں اور یہ دلیل دیں کہ مسلمانوں کے قرآن میں لکھا ہے "لا تقربوا الی الصلوۃ" نماز کے قریب نہ جاؤ لہٰذا نماز پڑھنا بند کرو۔

مشترکہ اور یکساں سول کوڈ:

ان سب کے پیچھے جو اسباب کار فرما ہیں وہ یہ ہیں کہ مسلمانوں کے شرعی معاملات میں بھی مشترکہ قانون اور یکساں سول کوڈ نافذ ہوجائے جس کے لیے ایڑی چوٹی کی کوشش کی جارہی ہے سپریم کورٹ کا ذرا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے " یہ بھی کھید کا معاملہ ہے کہ ہمارے سم ودھان کا انوچھید ۴۴ ر اپر چلت آدی آدی رہا ہے ایک یقین پیدا ہوا ہے کہ یہ مسلم سمودائے کے اوپر نر بھر ہے کہ وہ اپنے پرسنل لا کے سدھار کے معاملے میں اگوائی کرے، وبھن وچار دھاراؤں سے جڑے ہوئے قانون کے ٹکراؤ کو کامن سول سوڈ سماپت کریگا اور راشٹریہ ایکتا کو بل ملے گا'

(A.I,R, supreem court page no 954)

چیف جسٹس صاحب کے نزدیک سارا نیشنل انٹگریشن مسلم پرسنل لا کو بدلنے سے ہوجائے گا، ان کو یہ نہیں معلوم کہ انسانی فطرت ضرورت سے زیادہ یکسانیت سے نفرت کرتی ہے اور ضرورت سے زیادہ یکسانیت انسانی فطرت کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے سپریم کورٹ کی اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت ابھی ناقص ہے اور اس نقص کو دور کرنے کے لیے وہ ہم مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ،ہیں اسے یہ معلوم نہیں کہ قرآن و حدیث کے احکامات میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہوتی ہے قرآن و حدیث لے احکامات میں کسی قسم کی یا کوئی اضافہ کرنا قرآن و حدیث کی خلاف ورزی کرنا ہے جس کی شریعت ہمیں کبھی بھی اجازت نہیں دیتی، ہمارا دین جب مکمل ہوگیا رب نے فرمادیا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (پ ۶ ع ۴ سورہ مائدہ آیت ۶) ترجمہ آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام دین پسند کیا، اس کے بعد اگر آج ہم اسلام کے ان فرائض اور واجبات میں اضافہ کرتے ہیں تو گویا شریعت پر حکم لگانا ہے کہ ہماری شریعت ابھی ادھوری اور ناقص و نامکمل ہے،

شریعت اسلامیہ میں صرف ان ہی مسائل میں غور و خوض کی اجازت ہے جو جدید اور نئے دور کے مسائل ہیں اور ان کا حکم قرآن و حدیث اجماع امت اور قیاس سے ثابت نہیں ہے فقہ حنفی کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہے، حالات کے بدلنے سے صرف اجتہادی اور فروعی احکام بدلتے ہیں اجماعی احکام میں کبھی بھی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

یکساں سول کوڈ اور مشترکہ قانون کے مطالبے کے سلسلے میں ایک نظیر پیش کرتا ہوں کہ جب ناگالینڈ وجود میں آیا تو دستور ھند کا تیرہواں امینڈ منٹ خود ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے پیش کیا اور یہ امینڈ منٹ ناگالینڈ کے خصوصی حالات وہاں کی تاریخ، کلچر اور ایک مختلف زندگی کے پیش نظر ان کے رسوم و رواج کو محفوظ رکھنے کے لیے لایا گیا تھا ناگالینڈ اس ملک کا ایک چھوٹا سا حصہ، چھوٹی سی آبادی اور اس کے لیے تو ہماری دریا دلی کا حال یہ ہے کہ ہم آئین میں ترمیم کرکے اس کے کلچر اور اس کے رسوم و رواج کو محفوظ کر رہے ہیں اور دوسری طرف ملک کے پچیس کروڑ آبادی والے مسلمانوں سے یہ تقاضا کر رہے ہیں کہ main streem میں آجائیں اور کامن سول کوڈ کو تسلیم کرلیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

آزادی سے قبل مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کا مسلمانوں سے وعدے:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں آزادی حاصل کرنے

سے قبل ۱۹۲۰ء میں مسلمانوں سے جو وعدے کیا گیا تھا اس کی یاد دہانی اور اس پر ہلکی سی روشنی ڈالی جائے، اس وقت مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ:

''مسلمان صوبوں کو یقین دلایا جاتا ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد سوراجیہ کے سہارے ایسی و دیشی نیتی اپنائی جائے گی جس میں مذہب اسلام کے ان اصولوں کا احترام کیا جائے گا جن پر عمل کرنا مسلمان کے لیے مذہباً ضروری ہے (congress and minorties pege no 3)

اس سلسلے میں پنڈت جواہر لال نہرو کا محمد علی جناح کے نام ۶/ اپریل ۱۹۳۸ء کا خط بھی شاہد ہے جس میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ:

''جہاں تک سنسکرتی کی حفاظت کا تعلق ہے کانگریس نے دستور ہند کے فنڈامینٹل لاز (Foundamental laws) میں اسے شامل کرنے کی رضامندی ظاہر کرنے کا اعلان کر دیا ہے اس میں یہ بھی اعلان ہے کہ وہ کسی بھی فرقہ کے پرسنل لا میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنا چاہتی ہے۔ (مصدر سابق)

ان حوالوں کی روشنی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ شروع سے ہی یہ ہماری طئے شدہ پالیسی ہے اور ہمارے ملک کے سیاسی لیڈروں اور مذہبی رہنماؤں کا مستقل طور پر یہی انداز فکر رہا ہے کہ ہم پرسنل لا میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔

انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی لڑائی کا ایک اہم مقصد:

ہندوستان کی آزادی کی لڑائی محض غیر ملکی حکمرانوں سے یہاں کے لوگوں کو آزاد کرانے کے لیے نہیں لڑی گئی تھی، انگریزوں کی مخالفت صرف اس لیے نہیں کی گئی تھی کہ کچھ غیر ملکی حکمراں یہاں آکر قابض ہو گئے تھے اور وہ حکومت کر رہے تھے، آزادی کی لڑائی میں یہ مقصد بھی تھا اور یہ بات بھی شامل تھی کہ انگریز ہمارے ملک کے کلچر کو لوٹنا چاہتے تھے، مذہب کو برباد کرنا چاہتے تھے، دین میں مداخلت کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں یہاں مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ بیان حوالہ کے طور پر میں نقل کر رہا ہوں جو انہوں نے اس وقت دیا تھا جب برٹش گورمنٹ مسلمانوں کے دینی مسائل کی مخالفت کر رہی تھی جو کہ اس وقت کے موضوع کے عین مطابق ہے، مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا:

''اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ہے جس پر حکومت کی رسائی نہ ہو، یہ احکام چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں اور مدرسوں میں شب و روز زیر درس و تدریس ہیں پس گورمنٹ کو چاہیئے کہ صرف اس بات کی جانچ کر لے کہ اسلام کے شرعی احکام ایسے ہیں یا نہیں؟ اگر ثابت ہو جائے کہ ایسے ہی ہیں تو صرف دو ہی راہیں گورمنٹ کے سامنے ہونی چاہیے، یا مسلمانوں کے لیے ان کے مذہب کو چوڑ دے اور ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے ان کے مذہب میں مداخلت ہو اور وہ اپنے مذہبی احکام کے بنا برٹش گورمنٹ کے خلاف ہو جانے پر مجبور ہو جائیں یا پھر اعلان کر دے کہ اسکو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پروا نہیں ہے، اور نہ وہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہ ہوگی، اس کے بعد مسلمانوں کے لیے بھی نہایت آسان ہو جائے گا کہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں برباد نہ کریں اور برٹش گورمنٹ اور اسلام ان دنوں میں سے ایک بات کو اپنے لیے پسند کر لیں''

اس اقتباس میں موجودہ حالات میں صرف اتنی ہی ترمیم کی ضرورت ہے کہ جہاں جہاں ''برٹش گورمنٹ'' کا لفظ آیا ہے وہاں ''سپریم کورٹ'' رکھ دیا جائے تو اس وقت کی تاریخ آج کے لیے بھی صحیح ثابت ہو جائے گی۔

ہے قول محمد قول خدا فرمان نہ بدلا جائے گا
بدلے گا زمانہ لاکھ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا
عورت کے تحفظ کی ضمانت ہے شریعت
اب دوسرے ضامن کی ضرورت بھی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت اسلامیہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور تحفظ شریعت کا ہمارے اندر خوب خوب جذبہ عطا فرمائے۔

(آمین بجاہ سید المرسلین)

☆☆☆☆

مضمون نگار حضرات اگر اپنی کمپوز شدہ فائلیں برائے اشاعت بھیجنا چاہتے ہیں تو گزارش ہے کہ پی ڈی ایف یا امیج فائل نہ بھیجیں بلکہ اوپن فائل بھیجیں، ادارہ شکر گزار ہوگا۔

تاریخ وطن

تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات النّور کی روشنی میں

حیدر رضا مصباحی پورنوی

اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہندوستان کو "سونے کی چڑیا" کہا جاتا تھا۔ دنیا کے G.D.P. یعنی Gross Domestic Product یعنی مجموعی گھریلو پیداوار کے نصف حصے پر اکیلے بھارت کی ملکیت ہوتی تھی۔ اس خوش حالی کو انگریز بڑی للچاتی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اس پر غاصبانہ قبضہ جمانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ بالآخر تجارت کے بہانے یہاں کا اقتدار ہتھیانے اور اس ملک کی دولت لوٹنے کے لیے آنا پڑا۔

جو لوگ وطنِ عزیز پر مسلمانوں کی تقریباً آٹھ سو سالہ حکومت اور برطانوی اقتدار کو بایں وجہ ایک ہی پلے میں رکھتے ہیں کہ دونوں فریق نے بیرون ممالک سے آکر ہندوستانی سلطنت پر قبضہ جمایا، وہ در حقیقت مسلم دشمنی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اور یہ ان کی عصبیت ہے جو اظہارِ حقیقت کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے؛ ورنہ کون صاحبِ علم و آگہی اس بنیادی فرق سے واقف نہیں کہ مسلم حکمرانوں نے گو بھارت پر حملہ کیا تھا؛ لیکن یہاں کی دولت لوٹ کر اپنے ممالک نہیں لے گئے، بلکہ ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کر رہ گئے اور اس کو سجانے، سنوارنے میں اپنی زندگی وقف کر دی، جس کے نتیجے میں تاج محل، لال قلعہ، ہمایوں کا مقبرہ وغیرہ عجائب روزگار وجود میں آئے، جب کہ انگریزوں نے یہاں کے خزانوں پر ہاتھ صاف کر کے برطانیہ کی صنعت کو زندگی بخشی اور پھر جب ہوس کی آگ بجھ گئی تو اس ملک کے دو ٹکڑے کر کے چلتے بنے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلم سلاطین نے اپنے طرزِ حکومت، عدل پروری، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور دور اندیش سیاست سے اس دیش کو رشکِ گلزار بنا دیا تھا؛ جب کہ دوسری طرف تن کے گورے من کے کالے لوگوں نے اپنی متعصبانہ سوچ، منفی فکر اور ہند مخالف پالیسیوں سے اسے قعرِ مذلت میں ڈھکیل دیا تھا۔

برطانوی حکومت کی ہند مخالف اقتصادی پالیسیوں کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سن ۱۸۵۳ء سے ۱۹۴۳ء تک ہندوستان میں ۱۵/ بڑی بڑی قحط سالیاں آئیں، جن سے جہاں لاکھوں جانیں لقمۂ اجل بنیں وہیں کروڑوں کے گھر اجڑے، زندگیاں تباہ و برباد ہو کر رہ گئیں۔

بھارت کے لوگ ایک عرصہ سے انگریزی حکومت کے مظالم کی چکیوں میں پس رہے تھے، یہ صحیح ہے کہ ملک کے مختلف گوشوں میں اس کے خلاف عوام کا غم و غصہ الگ الگ وقتوں میں ظاہر بھی ہوتا رہا۔ تاہم کل ہند سطح پر کوئی تحریک ۱۹۱۸ء تک نہیں چلی تھی۔ لیکن ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ نے کچھ ایسی سنگین غلطیاں کیں، جن کے سبب آل انڈیا لیول پر احتجاج کی زمین ہموار ہو گئی۔

ان جابرانہ پالیسیوں میں سے ایک "رولیٹ ایکٹ" (Rowlatt Act) تھا، اس کے تحت خصوصی عدالتوں کے ذریعہ شہری حقوق سلب کرنے کی کوشش کی گئی اور بغیر مقدمہ چلائے دو سال تک کسی کو بھی حراست میں لینے کی پولیس کو آزادی دی گئی۔ ملک کی تقریباً تمام سیاسی جماعتیں اس قانون کی مخالفت میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور یہ مقبول نعرہ No Apeal, No Wakeel, No Daleel لگایا۔ ۱۳/ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیاں والا باغ، امرتسر میں ہزاروں لوگ "بیساکھی" کا تہوار منانے کے لیے اکٹھا ہوئے تھے، انھیں اس بات کا پتا نہیں تھا کہ شہر میں کرفیو (Curfew) لگا ہوا ہے۔ اسی اثنا میں کچھ لیڈران اپنے حامیوں کے ساتھ ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال ملک کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کے لیے وہاں پہنچ گئے۔ اس منظر کو دیکھ کر انگریز جنرل ڈائر بوکھلا گیا اور اس نے اپنی فوج کو اندھا دھند گولیاں برسانے کا حکم دے ڈالا، جس کے نتیجے میں سیکڑوں لوگوں کی جانیں گئیں، اس کے بعد پنجاب میں مارشل لا نافذ کیا گیا۔ پھر ہنٹر کمیشن (Hunter Commission) کی رپورٹ آئی۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء نے دوہری حکومت کو متعارف کرایا، جس کے تحت حکومت کے شعبوں کو Reserved Subjects (محفوظ امور) اور Transferred Subjects (محوّل امور) میں تقسیم کر دیا گیا اور سارے کلیدی شعبے گورنر اور اس کے ایگزیکٹیو

(Executives) کے حوالے کیے گئے۔

ملک کے لوگوں میں پہلے سے برٹش گورنمنٹ کے خلاف غصے کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں، جب کہ یکے بعد دیگرے ظالمانہ پالیسیاں اور قوانین بننے لگے تو اس کی آگ شعلۂ جوّالہ بن کر پورے ملک میں پھیل گئی۔ بالخصوص مسلمانوں کے لیے خلافتِ عثمانیہ کے مسئلے نے جلتے میں گھی کا کام کیا۔ رولیٹ ایکٹ کے خلاف مظاہرہ کے لیے گاندھی نے اپنی صدارت میں ستیاگرہ کا آغاز کیا۔ اس کے تحت بمبئی، دلی، الہ آباد، لکھنؤ اور جنوبی ہند کے کئی شہروں کے دورے کیے۔ ۶/ اپریل ۱۹۱۹ء کو قومی سطح پر ہڑتال کیا گیا۔ لیکن جلیاں والا باغ حادثے نے پورے ملک کو صدمے سے دوچار کر دیا اس طرح گاندھی نے ۱۸/ اپریل کو ستیاگرہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور اعتراف کیا کہ اس سے فاش غلطی ہوئی۔ اور اس غلطی کے کفارہ میں تین دن "روزہ" رکھا۔ اگرچہ یہ تحریک اپنے مقصد میں ناکام رہی؛ مگر اس نے گاندھی کو آل انڈیا لیول کا قائد تسلیم کروالیا۔

پہلی جنگ عظیم (۱۸- ۱۹۱۴ء) میں جرمنی کے ساتھ ترکی کو اتحادیوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی، متحدہ طاقتوں (برطانیہ، فرانس، امریکہ وغیرہ) نے پیرس کے قریب برسیلز کے مقام پر جرمنی کے ساتھ ایک اہانت آمیز معاہدہ کیا۔ ان کا منصوبہ تھا کہ اسی نوعیت کا ایک معاہدہ ترکی کے سر بھی تھوپا جائے۔ ان حالات میں متحدہ ممالک کے خلاف مختلف بلادِ اسلامیہ میں غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور تحفظِ خلافت کی خاطر وہاں خلافت تحریکوں کا آغاز ہونے لگا۔ ہندوستان میں بھی مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی نے ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو ممبئی میں "خلافت کمیٹی" کی بنیاد ڈالی اور گاندھی کو اس کا صدر منتخب کیا۔ ۱۹۲۰ء کو پیرس میں مولانا محمد علی جوہر نے کئی ملکوں کے سفیروں کے سامنے حسب ذیل مانگیں رکھیں:

(الف)- مقاماتِ مقدسہ پر ترک خلیفہ کا قبضہ برقرار رکھا جائے۔

(ب)- اسلامی عقائد کے تحفظ کی خاطر خلیفہ کا کم سے کم اتنے علاقہ پر اقتدار باقی رکھا جائے جس سے وہ مذکورہ مقصد حاصل کر سکیں۔

(ج)- جزیرۃ العرب (عرب، شام، عراق اور فلسطین) کو مسلم قیادت کے تحت باقی رکھا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ جب پورے ملک میں کانگریسی لیڈر لوک مانیہ تلک کی موت کا ماتم منایا جا رہا تھا، عین اس موقع سے یکم اگست ۱۹۲۰ء کو "تحریک نان کو آپریشن" (Non-Co-opration Movenent) کی شروعات ہوئی۔ ابتداءً کچھ قائدین اس کی مخالفت میں تھے، لیکن منت و سماجت اور سمجھانے بجھانے کے بعد گاندھی کی تجویز پاس ہوئی اور مذکورہ تاریخ کو تحریک کا آغاز کیا گیا۔ اس کے تحت مجلسِ قانون ساز کا بائیکاٹ کیا گیا۔ سرکاری القاب و خطابات سے دست برداری کا عہد لیا گیا اور حکومت کے تعلیمی اداروں، عدلیہ اور غیر ملکی اغذیہ کا مکمل مقاطعہ کیا گیا۔ نیز ملکی سامانوں اور مصنوعات کے فروغ پر زور دیا گیا اور عوام کے باہمی جھگڑوں سے نمٹنے کے لیے نجی پنچایتیں قائم کی گئیں۔

یہ وہ دو تحریکیں ہیں جن سے زیر نظر کتاب "النور" میں حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ نے بحث فرمائی ہے۔ گو اس میں ضمناً اور بھی مباحث ہیں؛ مگر اصولی طور پر مذکورہ دونوں موضوع پر ہی گفتگو کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ راقم نے اوپر ان تحریکات کے پس منظر میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اس کے مطابق ہے جو جدید ہندوستان کے مورخین نے اپنی کتابوں میں اس حوالے سے قلم بند کیا ہے۔ لیکن خلافت کمیٹی کے قیام کا اصل سبب کیا تھا، صاحبِ کتاب سید سلیمان اشرف اس پر سے یوں پردہ اٹھاتے ہیں:

"پنجاب میں ستیاگرہ کے موقع پر ہندوؤں کو بڑا کاری زخم لگا؛ یہاں تک کہ معاملہ مارشل لا تک پہنچا، اس لیے انھوں نے سوچا کہ مسلمانوں میں بھی کوئی عام اشتعال ہو تو اس گرما گرمی میں سوراج (اپنی حکومت) کا راستہ بہت جلد طے ہو جائے گا، پھر کیا تھا، خلافت کا مسئلہ تیار ہوا؛ چندے ہونے لگے؛ ہڑتال کی تجویز ہوئی اور روزہ کا بھی حکم دیا۔ ستیاگرہ کے موقع پر گاندھی کا یہی حکم تھا کہ فلاں روز روزہ رکھا جائے؛ دوکانیں بند ہوں اور ریزولیشن پاس کیا جائے۔" [النور (باختصار)، ص:۲۳]

اس سلسلے میں ایک دوسرے مقام پر مصنف اور زیادہ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

"مقاصد کانگریس کی تکمیل کے لیے جو مجلس منعقد فرمائی ہے، اسے دل کش و دل گیر بنانے کے لیے "خلافت کمیٹی" کا لقب دیا ہے؛ تاکہ نہایت سہولت سے مسلمانانِ ہندوستان کی گردنیں ہندوؤں کی غلامی و اطاعت میں سر بسجود ہو جائیں۔" [مصدر سابق، ص:۱۴، ۱۵]

مدعا پر دلیل: یہ ایسا دعویٰ نہیں ہے جسے جانب داری، عداوت یا اور کسی سبب پر محمول کرتے ہوئے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے؛ اس لیے کہ اس کے پس پشت وہ حقائق ہیں جو اس کی صداقت پر مہر ثبت کرتے نظر آتے ہیں۔ دیکھیے نہ اس معاملے کو کہ جنگ طرابلس (۲۹ ستمبر ۱۹۱۱ء- ۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۲ء) اور جنگ بلقان (۸/ اکتوبر ۱۹۱۲ء- ۳۰ مئی

۱۹۱۳ء) کے موقع سے ترکوں کی امداد کے لیے چندے کیے گئے؛ یہاں تک کہ عورتوں نے اپنے قیمتی زیورات تک دے ڈالے۔طبی وفد ارسال کرنے کی تجویز ہوئی۔اس وقت یہاں کے مسلمان جوش سے سرشار تھے، اگر خلافت عثمانیہ سے اتنی ہی ہمدردی تھی تو ایسے موقع کو بھناتے ہوئے خلافت تحریک کا آغاز کر دینا چاہیے تھا؛ مگر چوں کہ اس وقت تک کل ہند سطح پر تحریک کی راہ ہموار نہیں ہوئی تھی، اس لیے گاندھی کو خلافت کا خیال نہیں آیا، تو پھر مسلم سیاسی لیڈران کیسے اس کے متعلق سوچ سکتے تھے؟ ہاں، جب برطانوی حکومت کے پے در پے مظالم کے سبب آل انڈیا احتجاج کا راستہ صاف ہو گیا تو پھر "خلافت" کا راگ الاپا گیا اور ایک اسلامی تحریک کی صدارت گاندھی کے قدموں پر ڈال دی گئی، چناں چہ صاحبِ "النور" اس باب میں بڑے درد بھرے انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

"جنگ طرابلس شروع ہوئی اور اس کے ختم ہونے سے پیش تر بلقان کی لڑائی چھڑ گئی۔اس وقت خلافت کی ہمدردی میں جو جوش مخلصانہ مسلمانوں میں پیدا ہوا تھا، وہ موجودہ حمایتِ خلافت سے اپنی شکل و صورت اور طرز و انداز جداگانہ ہی رکھتا تھا۔ اس میں نہ تو کسی ہندو کی لیڈری تھی؛ نہ مسلمانوں کو ان کی غم گساری کی حاجت۔ وہ ایک ایسا موقع بیداری کا مسلمانوں کے لیے آیا تھا کہ وہ رہ نمایانِ قوم اگر چاہتے تو مسلمانوں کی آنکھوں سے نیند کا خمار بھی دفع ہو جاتا۔ لیکن ہزار افسوس اس بدنصیب قوم پر جسے بیداری کے بعد پھر خواب آور دوا پلا دی گئی۔"

[مصدر سابق، ص:۲۲]

مذکورہ دعویٰ پر یہ بھی ایک دلیل ہے کہ ہندوؤں نے کٹار پور کے مسلمانوں کو بند مکان میں نذرِ آتش کر دیا، ان کی جان اور مال و اسباب لوٹے اور نہایت بے دردی سے ان کی عزت و آبرو کو پامال کیا، لیکن جب مجرموں کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا گیا تو مسلم لیڈران نے بے چارے مظلوم مسلمانوں کی جانب دست تعاون دراز کرنے کے بجائے تلقین کرنا شروع کیا کہ مسلمان کورٹ سے اپنا دعویٰ واپس لے لیں اور ملزموں کو رہا کیا جائے۔ پھر جب ان کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو لیڈروں نے اس سمت میں کوشش تیز کر دی، جس کے نتیجے میں گورنمنٹ کے پاس ان کے عفو و درگزر کی درخواست بھیجی گئی۔[تفصیل کے لیے دیکھیے النور، ص:۵،۶]

آپ غور کریں کہ آخر ہندوؤں کے ساتھ اس بذل و کرم کے کیا اسباب تھے؟ یہی نہ کہ اس طرح ان کی ہمدردی حاصل ہو سکے گی۔ پھر جب متحدہ قربانیوں سے سوراج (خود کی حکومت) حاصل ہو گا تو اس میں کچھ نہ کچھ حصہ داری ملے گی۔ ظاہر ہے سوراج کے لیے مسلمانوں کی عام حمایت بھی ضرور تھی، سوا سے حاصل کرنے کی خاطر "خلافت کمیٹی" کی بنیاد ڈالی گئی۔

یہاں یہ بھی خیال میں رہے کہ جب ہندوؤں نے زور و شور سے گاؤکشی کا معاملہ اٹھایا اور اس پر پابندی لگانے کی کوشش کیں تو مسلم سیاسی قائدین نے ان کے سُر میں سُر ملا کر مسلمانوں سے گائے ذبح کرنے سے باز رہنے کا نہ صرف مطالبہ کیا، بلکہ مختلف طریقوں سے انھیں یہ باور کرانا چاہا کہ اس وقت گاؤکشی نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس طرح جہاں ہندوؤں کے محبوب نظر بننے کی کوششیں کی گئیں، وہیں مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے "خلافت کمیٹی" کا ڈھونگ رچایا گیا اور دونوں کا مقصد بس ایک؛ وہ یہ کہ کس طرح متحدہ جد و جہد سے جب ملک آزاد ہو تو حکومت میں کچھ ان کی بھی شراکت ہو سکے۔ اس مقام پر واضح ہو جانا چاہیے کہ راقم آزادیِ وطن کی خاطر جد و جہد کا ہرگز مخالف نہیں ہے؛ بلکہ اس کے لیے عوام کے مذہبی جذبات کے غلط استعمال کو اچھا نہیں سمجھتا کہ اس طرح کے اقدام سے دین کو بازیچۂ اطفال بنا دیا جاتا ہے؛ جیسا کہ "خلافت تحریک" اور تحریک ترک موالات" کے موقع سے سیاسی لیڈران نے خوب اس کے تجربے کیے، جسے آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ایک حدیث میں تحریف: گاؤکشی روکنے کا بھوت لیڈروں پر اس قدر سوار ہو گیا تھا کہ حکیم محمد اجمل خاں نے ایک حدیث میں اپنی جانب سے ایک لفظ کا اضافہ کر کے کہا: "اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں علی العموم بکری کی قربانی کا رواج تھا" جیسا کہ علامہ سلیمان اشرف رقم طراز ہیں:

"ص:۳۴ پر مذہبی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ سے بحث کرتے ہوئے یوں (اجمل خاں صاحب کا) ارشاد ہوتا ہے: "ہندوستان کو چھوڑ کر عرب، شام، مصر، طرابلس اور ایشیائے ترکی کے مسلمانوں کو دیکھیے، جن میں کروڑوں کی تعداد نے زندگی بھر اس سنت کو بغیر گائے کی قربانی کے ادا کیا ہے۔" عوام بے چارے اس پر پیچ تاریخی جملہ سے یہ سمجھے کہ گائے کو قربانی کے لیے تمام بلادِ اسلامیہ کے مسلمان چھوتے بھی نہیں، لیکن خفیف سا یہ شبہہ عوام کو رہ جاتا تھا کہ شاید اس دور سے پیش تر عہدِ رسالت ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں گائے کی قربانی ہوتی ہو یا ہوئی ہو، اس شبہہ کو مٹا دینے کے لیے حکیم صاحب نہایت شد و مد سے

ایک حدیث میں کچھ اپنی طرف سے اضافہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں: ”اس حدیث سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں علی العموم بکری کی قربانی کا رواج تھا۔“ [مصدر سابق، ص:۱۳، ۱۲]

نوٹ: حکیم اجمل خاں نے اپنا جو خطبہ (جس کا کچھ حوالہ مذکورہ اقتباس میں آیا ہے) امرتسر کی قومی مجلس میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے پڑھا تھا، علامہ سلیمان صاحب کے مطابق وہ ۴۴ر صفحہ کا تھا؛ اس لیے قرینِ قیاس یہ ہے کہ اوپر اقتباس میں جو ”ص: ۳۴“ آیا ہے، وہ ”۳۴“ کے بجائے ”۴“ یا ”۳“ ہونا چاہیے۔

اصلاحِ خطا میں مصنف کا قابلِ تقلید نمونہ:

حدیث میں دانستہ یا نادانستہ تحریف کی جا رہی ہو اور مولانا سلیمان اشرف خاموش رہیں، یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ انھوں نے حکیم اجمل خاں صاحب کو اس غلطی سے آگاہ کرنے کے لیے جو کوششیں کی تھیں، وہ نہ صرف لائقِ تبریک وتحسین ہیں، بلکہ ہمارے لیے قابلِ تقلید نمونہ بھی؛ خصوصاً ان حضرات کے لیے جو فروعی اختلافات میں بھی تضلیل و تفسیق سے نیچے کی بات نہیں کرتے، اور بسا اوقات توتکفیر تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ چناں چہ آپ نے حکیم صاحب کو ایک مکتوب ارسال کیا کہ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو حدیث آپ نے روایت کی ہے، وہ کہاں سے اخذ کی ہے؟ جب جواب سے مایوس ہو گئے تو ان سے ملاقات کے لیے خود دہلی گئے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حکیم صاحب کی طبیعت ناساز ہے؛ اس لیے واپس ہو گئے۔ پھر دوسرے دن ان کے دولت کدے پر پہنچے تو خبر دی گئی، وہ اس وقت مدن موہن مالویہ سے محوِ گفت گو ہیں۔ ناچار آپ نے حکیم صاحب کے پاس آمد و رفت رکھنے والوں کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ حدیث پاک میں جو غلطی ہوئی ہے، اس کی جانب اجمل صاحب کی توجہ دلائیے، لیکن افسوس، سلیمان صاحب کی یہ کوشش بھی ثمر بار نہیں ہوئی۔

رجب کا مہینہ آیا تو علامہ سلیمان صاحب نے اجمیر شریف آستانۂ حضرت غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حاضری دی۔ وہاں کچھ سیاسی علما سے ملاقات ہوئی تو ان کی توجہ حکیم صاحب سے صادر ہونے والی غلطی کی جانب مبذول کرائی، مگر ناکامی ہاتھ لگی۔ اس کے بعد کان پور میں بڑے پیمانے پر علما کا جلسہ ہوا تو وہاں کچھ کارکنوں سے مخلصانہ استدعا کی کہ قربانیِ گائے کے متعلق غلطی تسلیم کر لیجیے، لیکن جواب میں سکوت چھایا رہا۔

جب ہر طرف سے امید جاتی رہی اور حدیث شریف میں تحریف کے باعث اندرونی بے قراری اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو ”الرشاد“ نامی رسالہ تحریر فرمایا اور مسلمانوں کو حق سے آگاہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ لیڈرانِ سیاسی کے پاس اس کے نسخے بھیجے۔ صرف تین ماہ کے مختصر عرصے میں تقریباً تین ہزار نسخے مختلف امصار وقصبات میں مفت تقسیم کیے۔

خیر، علامہ صاحب کی محنت رنگ لائی اور حکیم اجمل خاں نے ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا:

”میرے اوپر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حدیث ”إذا أراد أحدكم أن يضحى بالشاة“ میں آخری لفظ ”شاۃ“ کسی کتاب میں نہیں ہے۔ میں یہ اعتراض قبول کرتا ہوں اور یہ بات ظاہر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ لفظ محض غلطی کی وجہ سے لکھا گیا۔ در اصل یہ کسی حدیث کا جز نہیں، لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اعتراض کرنے والے بزرگ اس سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟“

[مصدر سابق، ص:۱۹-۲۱ (باختصار)]

حکیم صاحب نے کھلم کھلا لفظوں میں اپنی غلطی کا اقرار کیا، جس کے لیے ان کی ستائش کی جانی چاہیے۔ مگر اس کے ساتھ انھوں نے یہ کہہ کر ”لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اعتراض کرنے والے بزرگ اس سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟“ علامہ سلیمان اشرف کی مخلصانہ دینی کوشش کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا تھا، جس کا جواب دینا مصنف کے لیے ضروری تھا، تاکہ کسی کو یہ وہم نہ رہے کہ انھوں نے وہ سارا عمل سیاسی منفعت یا کسی دوسری مصلحت کے پیشِ نظر کیا تھا۔ چناں چہ انھوں نے ”النور“ میں اس کا جواب دیا، جسے بغیر کسی تبصرہ کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

”فقیر نے حکیم صاحب پر اعتراض نہیں کیا تھا، بلکہ ایک حقیقی اور واقعی امر کا اظہار تھا۔ رہا فائدہ، وہ حکیم صاحب ہی بیان فرمائیں کہ کون سا مقصد حاصل کرنا تھا، جس کے لیے حدیث میں اضافہ کی حاجت ہوئی؟ اور اب کہ غلطی کا اعتراف ہے، ان پانچ سطروں کا خطبۂ صدارت میں کیا فائدہ ہے؟

فقیر کا اس کشفِ حقیقت سے صرف یہی مدعا تھا کہ عالی جناب حکیم صاحب اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں اور مسلمانوں کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ایک لفظ اپنی طرف سے بڑھانا اور اس اضافہ کو مقامِ استشہاد میں لانا، اس خطبۂ صدارت میں صرف اسی ایک جگہ ہوا ہے، جہاں حدیثِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منقول ہے۔ بقیہ سارے حوالے، اعیان و وزراے انگلستان کے صحیح ہیں؛ کسی طرح کے شک و شبہہ کو اس میں دخل نہ دینا

چاہیے۔اس کے سوانہ کوئی مدعا اور نہ کچھ فائدہ۔" [مصدر سابق، ص:۲۱]

خلافت تحریک کے اصلی سبب پر آخری بات:

اب تک جو بحثیں پیش کی گئیں، ان سے بہت حد تک "خلافت تحریک" کا حقیقی پس منظر واضح ہو گیا ہوگا۔ اس تعلق سے مصنف کے موقف میں اگر ابھی بھی کسی کو شبہہ ہے تو وہ ایک حقیقت پیش نظر رکھے، انشاء اللہ اس سے تحریک کے اصلی سبب تک رسائی بڑی سہولت سے ہو جائے گی وہ بھی بہت سرعت کے ساتھ۔ وہ یہ کہ اب تک جو تحریکیں چلی تھیں، مثلاً: سودیشی اور بائیکاٹ مومنٹ، وہ کامل اتحاد واتفاق کے بغیر کامیاب ہو سکتی تھیں، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی کبھار اسرائیلی مصنوعات کا صرف مسلمان بائیکاٹ کرتے ہیں، اور وہ تحریک اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتی ہے، لیکن ہڑتال یا نان کو آپریشن ایسی تحریک تھی، جس کے لیے پورے ملک کے عوام کی شرکت ناگزیر تھی۔ گاندھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے جہاں انھوں نے ہندوؤں کو آزادی وطن کے نام پر اس میں شامل کیا، وہیں مسلمانوں کو "خلافت" کے نام پر اکٹھا کیا۔ اور یہ ضرورت اس لیے محسوس ہوئی وہ جانتے تھے کہ گو کچھ مسلم لیڈران وطن کی آزادی کے نام پر جمع ہو جائیں، مگر تمام مسلمانوں کو اس نام پر جمع نہیں کیا جاسکتا ہے۔ علامہ سید سلیمان اشرف صاحب اس حقیقت کو یوں کھولتے ہیں:

"ایسا ملک جس میں ایک ہی قوم آباد ہو، وہاں ہڑتال کی تحریک جلد بار آور ہو سکتی ہے، لیکن ایسا ملک جس میں مختلف قومیں آباد ہوں، وہاں تحریک ہڑتال سے پیش تر ملک کی آبادی کا کسی ایک مرکز وفاق پر اجتماع از بس ضروری ہے۔ مسٹر گاندھی کے دور بین نگاہوں نے جب یہ دیکھا کہ مادر وطن کا نام لے کر مسلمانوں کو من حیث القوم حرکت میں نہیں لایا جا سکتا، چاہے چند ذی وجاہت یا شہرت پسند شریک ہو جائیں، لیکن قوم کی شرکت متعذر ہے، تو وہ ہندوؤں کے سامنے آزادی ہند کو شفیع لائے اور مسلمانوں کے سامنے مسئلہ خلافت پیش کیا اور اس ایک مرکز پر کہ انگریزوں کا وجود دونوں کی گرفتاری اور پائمالی کا موجب ہے، ہندو مسلم دونوں متضاد قوموں کا اجتماع کر دیا۔" [مصدر سابق، ص:۲۹]

قیام "خلافت تحریک" کے بعد کا منظر:

"خلافت تحریک" کے حقیقی اسباب وعلل سے آپ واقف ہو گئے، اب یہ دیکھیے کہ اس کی تشکیل کے بعد کیا ہوا؟ اس وقت جو معاملہ ہوا میں تھا، وہ اس بات کی صد فی صد تصدیق کرتا ہے کہ اس تحریک کی بنیاد مسئلہ خلافت عثمانیہ کے لیے نہیں پڑی تھی، بلکہ اس کا مقصد اس "لازوال نعمت" سوراج کو حاصل کرنا تھا جو کانگریس کا دیرینہ خواب تھا۔

جب مسلمان "خلافت" کے نام پر جوش سے بھر گئے یہاں تک کہ وہ اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار نظر آنے لگے تو سیاسی لیڈران نے مسئلہ خلافت کو سرد بستے میں ڈال دیا اور یہ نعرہ لگانے لگے "ہندوستان کو پہلے آزاد کر لو پھر اپنے مذہبی مطالبات کا ذکر چھیڑنا" اور اس طرح مسلمانوں کے جذبات کو آسانی سے سوراج کی طرف پھیر دیا گیا۔ اس صورت حال کی پر درد منظر کشی کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

"اب نہ مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت ہے، نہ ہجرت کے لیے بلند آہنگی، نہ جزیرۃ العرب پر جوش ہے، نہ خلافت پر بزمِ ماتم۔ اب تو صاف اور کھلے الفاظ میں وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ ہندوستان کو پہلے آزاد کر لو پھر اپنے مطالبات مذہبی کا ذکر چھیڑنا، خدا کے لیے ذرا انصاف سے کام لو، کیا یہ مقصدِ کانگریس نہیں؟ یہ ساری مذہبی تصویریں، جو اس ایک برس میں جلد جلد سامنے لائی گئیں، وہ بذاتِ خود مقصود ومطلوب نہ تھیں بلکہ ان کی نمائش کا مقصد صرف تمھارے جذبات میں ہیجان پیدا کرنا تھا اور اس ہیجان کو خدمتِ ہندوستان میں صَرف کرنا تھا۔ یہ ساری جلوہ آرائیاں جو تقدس کے پیکر میں ہوئیں، ان کی محض یہی غایت تھی کہ تم کس طرح ہندوؤں کے فدائی ہو جاؤ اور تمھاری مذہبی عصبیت فنا ہو جائے۔ پھر حکومت ہند ہاتھوں میں ہندوؤں کے اس طرح دے دو جیسا کہ ہندوؤں کا دل چاہتا ہے۔" [مصدرِ سابق، ص:۳۷]

کیا اب بھی کوئی سیاسی قائدین کے خلوص کی قسمیں کھائے گا؟ کیا اب بھی کسی کو علامہ سلیمان اشرف صاحب کے موقف سے اختلاف ہے؟ کیا اب بھی نام نہاد خلافت تحریک کو کوئی دینی تحریک خیال کرے گا؟ اگر ہاں، تو اسے خدا ہی سمجھا سکتا ہے؛ اسے سمجھانا انسان کے بس سے باہر ہے۔ اگر کسی کٹھ حجتی کرنے والے کی فہم میں یہ مسئلہ نہ آتا ہو تو نہ آئے؛ کہ میں یہاں اس کے درپے بھی نہیں۔ میرا مقصد تو ان کے لیے سچ کی رونمائی ہے، جو لوگ عقیدت پر حقیقت کو ترجیح دیتے ہیں اور حق واضح ہو جانے کے بعد، اس کی قبولیت میں کچھ بھی پس وپیش نہیں کرتے۔

"خلافت تحریک" بے نقاب ہو چکی، اس لیے اس پر کچھ اور لکھنا فضول ہے۔ آئیے۔ اب تحریک نان کو آپریشن کا رخ کرتے ہیں، اس کا پس منظر اور مقاصد پہلے بیان ہو چکے ہیں، اس مقام پر ان کا

اعادہ خالی از فائدہ ہے۔ یہاں راقم آپ کو یہ دکھانے جا رہا ہے کہ کسی طرح علماے سیاسی نے مسلمانوں کو اس میں شریک کرنے کے لیے جد و جہد کی؛ کیا کیا جتن کیے اور اس کو اسلام کے اصول و ضوابط کے عین مطابق ثابت کرنے کے لیے کیسے کیسے گل کھلائے۔

تحریک نان کو آپریشن کی طرف ایک قدم اور "جہاد" کی تعریف:

جب ہندوستان بھر میں مسئلہ "خلافت" کی ہوا زور و شور سے چل رہی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ملک کے یہ "جیالے" خلافتِ عثمانیہ میں ایک نئی روح پھونک دیں گے اور لمبی مدت تک کے لیے اسے مستحکم کر کے دَم لیں گے، عین اسی موقع سے سیاسی مفتیوں نے ایک فتویٰ شائع کیا، جس میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی تھی:

(۱) خلافت و نصبِ امام (۲) شرائط امام و خلیفہ (۳) جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کے متعلق احکامِ شرعیہ اور (۴) جہاد کی اہم قسم دفاع کے احکام اور اس کا وقت۔

سید سلیمان اشرف بہاری کے الفاظ میں اس فتوے کا خلاصہ یہ تھا:

"فتوے کا خلاصۃ المرام و خاتمۃ الکلام اس مفہوم پر تھا کہ اس وقت خلیفۃ المسلمین کی طرف سے نفیر عام ہے اور تمام عالم اسلام پر دفاع فرضِ عین ہے۔ وقت آگیا کہ بیٹا بغیر اجازتِ والدین نکل کھڑا ہو، بیویاں بغیر اذنِ شوہر جہاد کے لیے نکل چلیں، یہ وہی وقت آپہنچا جب کہ ہر نفس و ہر ذات کو اس نفیر عام پر صداے لبیک بلند کرنا فرض ہے؛ جس طرح ادائے فریضۂ صلاۃ و صوم کے لیے والدین اور شوہر کی اجازت و رضا کی حاجت نہیں اس طرح اس وقت جہاد کرنے میں بھی ان کی مرضیات کا خیال اور ان کی ناخوش نودی کا خوف ایک گناہِ عظیم ہے۔" [مصدر سابق، ص:۳۹]

فتویٰ میں جہاد کی فرضیت تو واضح کر دی گئی، مگر لیڈران اس کی تیاریوں سے غافل پڑے ہیں۔ اسی غفلت میں ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر جاتا ہے، پھر ماہِ رجب میں شہر کان پور میں "جمعیۃ علماے ہند" کے نام سے ایک جلسہ انعقاد پذیر ہوتا ہے، جس کی صدارت وہی حضرت فرماتے ہیں جنھوں نے مذکورہ فتویٰ کے لیے استفتا کیا تھا۔ اپنے خطبۂ صدارت میں موصوف پر زور انداز میں فرماتے ہیں "یہ بھی جہاد ہے اور وہ بھی جہاد ہے۔ شریعت کی نگاہ میں دونوں جہاد ہیں۔" اس طرح آہستہ آہستہ یہ لوگ عام مسلمین کو ایک غیر متعیّن صنف "جہاد" کے لیے تیار کرنے لگے، گویا بھی تک اس قسم کا تعین نہیں ہو پایا تھا۔

یہ ایک شبہہ آپ کے حاشیۂ ذہن میں پیدا ہو رہا ہوگا کہ جب اس وقت سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ہی جہاد کی فرضیت کا فتویٰ جاری کر دیا گیا تھا تو آخر کس مقصد کے تحت اس درمیان اس موضوع کو طاقِ نسیاں میں ڈال دیا گیا تھا؟ آئیے، اس کا ازالہ مصنف "النور" کی بارگاہ سے کرواتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"واقعہ یہ تھا کہ ان مدعیانِ علم کو اپنے پیشوایانِ کید و حیل یعنی جینٹل مین لیڈروں سے جو فیض پہنچتا تھا، وہ ان ہی کو مسائلِ شرعیہ اور اصطلاحاتِ دینیہ کے لباس میں عام مسلمانوں کے سامنے لاتے تھے۔ جنٹل مینوں کا مبداے فیض مسٹر گاندھی کا دماغ تھا۔ ایسی صورت میں جب کہ ان علماے سیاسی کا سلسلۃ الذہب ایک مخزن کفر و شرک پر جا کر منتہیٰ ہوتا ہو؛ اس کے سوا اور کیا چارۂ کار تھا کہ جب تک کچھ اس طرح سے القا نہ کیا جائے، یہ ساکت و صامت ہی رہیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آیا کہ مسئلہ نان کو آپریشن کی تحریک تسلیم کر لی گئی۔ اب علما کی جانب سے بھی "جہاد" اپنے صحیح مصداق پر جا کر متعیّن و مشخص ہو گیا۔" [مصدر سابق، ص:۴۰]

تعین مصداقِ جہاد: علماے سیاسی کی انتھک کوششوں سے اب مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اپنے کو ذہنی طور پر جہادِ دفاع کے لیے تیار کر چکی تھی، اس لیے انھیں محسوس ہوا کہ جہاد کے مصداق کی تعیین کا یہ سنہری موقع ہے۔ صاحبِ کتاب کے مطابق مصداق جہاد کے الفاظ یہ تھے:

"عام سودیشی (اپنے ملک کی مصنوعات) کا استعمال کریں، یہ ان کا جہاد ہے؛ اعزازی عہدے واپس کیے جائیں، یہ آنریری (معزز) کام کرنے والوں کا جہاد ہے، کونسل کی ممبری چھوڑ دینا، آنریبل ہونے والوں کا جہاد ہے۔ سب سے بڑا جہاد طلبۂ انگریز خواں کے لیے ہے۔ وہ موجودہ نظامِ تعلیم کو جب تک نہ چھوڑیں گے، مجاہدین میں ان کا شمار قطعًا نہ ہوگا۔ ساری وعیدیں جو تارکینِ جہاد کے لیے ہیں، ایک وعید بھی ان میں سے ایسی نہ رہے گی جو طلبہ پر صادق نہ آجائے۔ موجودہ نظامِ تعلیم کے ترک میں تاخیر و تدبر بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ والدین و اساتذہ کی استشارہ استرضا (مشورہ لینا اور رضا مندی چاہنا) کی بھی حاجت و فرصت نہیں۔" [مصدر سابق، ص:۴۱]

....[جاری]

☆☆☆☆

گوشۂ ادب

ذوقِ نعت: ایک ادبی جائزہ

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی نے ادبی اور مذہبی دونوں خدمات انجام دیں، لیکن مذہبی خدمات زیادہ نمایاں اور غالب رہیں، جس کی وجہ سے ادبی خدمات دب کر رہ گئیں۔

حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد غزل گوئی ترک کر دی، صرف نعت اور منقبت کو اپنا مشغلہ بنایا، نعت گوئی کا شعور برادر کبیر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کے فیض صحبت سے حاصل ہوا۔ نعتوں کا مجموعہ "ذوق نعت" کے نام سے معروف ہے، جو زبان کی لطافت، حسن ادا، کیف آوری اور اثر انگیزی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کی ترتیب میں عام اساتذہ کے دیوانوں کی طرح حروف تہجی کا التزام ہے، ہر ردیف میں نعتیں کہی گئی ہیں، بلکہ بعض سنگلاخ زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی گئی ہے، آپ کے اشعار میں مضمون آفرینی، ندرت خیال اور حقیقت آرائی کو خاص دخل ہے۔

نعت گو شعرا کو محبوب کے حسن و جمال اور سیرت و کردار میں کذب اور مبالغے سے اجتناب کرتے ہوئے حقیقی صفات کی نقاب کشائی مد نظر ہوتی ہے اور یہی نعت گوئی کی معراج ہے۔

حضرت حسنؔ بریلوی نے اس حقیقت کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اشعار میں موقع کی نزاکت اور اہمیت کے مطابق نہایت مناسب، موزوں اور برمحل الفاظ و محاورے استعمال کیے ہیں، تشبیہات نہایت لطیف اور عام فہم ہیں جس کی وجہ سے کلام فصاحت و بلاغت کا گنجینہ بن گیا ہے۔ آنے والے صفحات میں آپ کے نعتیہ کلام کا ایک اجمالی جائزہ پیش ہے۔

مضمون آفرینی: حضرت حسنؔ بریلوی نعت گوئی میں دوسرے نعت گو شعرا کے نقال نہیں، وہ ہر جگہ نئی بات کہنے کے عادی ہیں۔ ان کے بہت سے اشعار میں نئے نئے مضامین ملتے ہیں، ذیل کے اشعار میں ندرت خیال اور مضمون آفرینی کا حق ادا کر دیا ہے۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی لب سے ترے سنی
اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

مرزا غالبؔ کا ایک شعر ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

غالبؔ کا خیال ہے کہ کچھ حسینوں کی شکلیں تو لالہ و گل کی صورت میں ظاہر ہوگئیں اور بہت سی مٹی میں دب کر رہ گئیں۔ لیکن حسنؔ بریلوی کو اس سے اتفاق نہیں، انھوں نے اس سے ایک نیا مضمون پیدا کیا ہے۔ کہتے ہیں:

کر گیا آخر لباسِ لالہ و گل میں ظہور
خاک میں ملتا نہیں خونِ شہیدانِ جمال

امیرؔ مینائی کا شعر ہے۔

حور بن کر ترے کشتے کی قضا آئی ہے
دامن تیغ سے جنت کی ہوا آئی ہے

حسنؔ فرماتے ہیں۔

جب تری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی
جان لینے کو دلھن بن کے قضا آئی ہے

ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔

شہیدِ ناز کی تفریح زخموں سے نہ ہو کیوں کر
ہوائیں آتی ہیں ان کھڑکیوں سے باغ جنت کی

ندرت خیال کی رنگا رنگ جلوہ آرائیاں یہاں بھی دیکھیے۔

الٰہی دھوپ ہو ان کی گلی کی
مرے سر کو نہیں ظل ہما خوش
جنت بھی لینے آئے تو چھوڑیں نہ یہ گلی
منہ پھیر بیٹھیں ہم تری دیوار کی طرف
ملائکہ کو بھی ہیں کچھ فضیلتیں ہم پر
کہ پاس رہتے ہیں طوف مزار کرتے ہیں

بعض اشعار میں آپ نے بالکل نئے خیالات کی عکاسی کی ہے جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئے، کہتے ہیں۔

الٰہی بعد مردن ہائے حائل اٹھ جائیں
اُجالا میرے مرقد میں ہو ان کی شمع تربت کا

دونوں جہاں کی شاہی ناکتخدا دلھن تھی
پایا دلھن نے دولھا صبح شب ولادت

بت خانوں میں وہ قہر کا کہرام پڑا ہے
مل مل کے گلے روتے ہیں کفار و صنم آج

حسن الفاظ: حسنؔ بریلوی چوں کہ زبان اور محاورے پر قدرت رکھتے تھے۔ اس لیے بسا اوقات الفاظ کے تقدم و تاخر سے بھی مضمون پیدا کر لیتے ہیں۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔

خدا کا وہ طالب خدا اُس کا طالب
خدا اُس کا پیارا وہ پیارا خدا کا

اللہ کا محبوب ہے جو تمھیں چاہے
اس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو

تضاد الفاظ: -بیشتر اشعار میں متضاد الفاظ لاکر ایک نیا مضمون پیدا کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے اشعار:

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

نکالا کب کسی کو بزم فیض عام سے تم نے
نکالی ہے تو آنے والوں کی حسرت نکالی ہے

حسن کا درد دکھ موقوف فرما کر بحالی دو
تمھارے ہاتھ میں دنیا کی موقوفی بحالی ہے

تکرار الفاظ: بہت سے اشعار میں تکرار الفاظ سے اچھوتے اور بہترین مضمون نکالے ہیں جو آپ کی زبان و بیان کی واضح دلیل ہے۔ فرماتے ہیں:

ترا دردِ الفت جو دل کی دوا ہو
وہ بے درد ہے نام لے جو دوا کا

میرا تیرا کب تک پیارے
میں بھی فانی تو بھی فانی

قول حسنؔ سن قول حسنؔ سن
باقی باقی فانی فانی

مترادف الفاظ: بعض اشعار میں مترادف الفاظ یا آپس میں ملتے جلتے الفاظ یا ذو معنی الفاظ لاکر اچھے اچھے مضمون پیدا کیے ہیں۔

ٹوپیاں تھام کے گر عرش بریں کو دیکھیں
اونچے اونچوں کو نظر آئے نہ رفعت تیری

نہ کوئی دوسرا میں تجھ سا ہے
نہ کوئی دوسرا ہوا تیرا

نہ ہوگا دو قدم کا فاصلہ بھی
الہ آباد سے احمد نگر تک

تواتر و تقسیم: آپ کے کلام میں معانی، بیان اور بدیع کی جلوہ آرائی جگہ جگہ نظر آئے گی، درج ذیل اشعار میں آپ نے صنعت تواتر اور صنعت تقسیم کا لطف پیدا کر دیا ہے۔

ہوا بدلی کھلے بادل کھلے گل بلبلیں چہکیں
ہم آئے یا بہارِ جاں فزا آئی گلستاں میں

باغ فردوس کھلا فرش بچھا عرش سجا
اک ترے دم کی یہ سب انجمن آرائی ہے

کھیت سرسبز ہوئے پھول کھلے میل دھلے
اور پھر فضل کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے

قطرہ قطرہ ان کے گھر سے بحر عرفاں ہوگیا
ذرہ ذرہ ان کے در سے مہر تاباں ہوگیا

رعایاتِ لفظی: حسنؔ بریلوی نے کلام میں رعایاتِ الفاظ سے معنوی خوبیاں پیدا کی ہیں اہل فن اسے مراعات النظیر کہتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

چار اضداد کی کس طرح گرہ باندھی ہے
ناخن عقل سے کھلتا نہیں عقدہ تیرا

وحشیِ عقل سے کھلتا ہے تو اے پردۂ یار
کچھ نہ کچھ چاکِ گریباں سے ہے رشتہ تیرا

اس قسم کے بیشتر اشعار ہیں، بعض اشعار میں کئی کئی صنعتیں

اور رعایتیں ہیں۔ درج ذیل شعر دیکھیں:

جود دریا دل کے صدقے سے بڑھے
بڑھتے بادل کو گھٹا کہنا خطا

بڑھے، بڑھتے اور گھٹا میں تضاد الفاظ ہے، دریا دل اور بادل میں حرفی مماثلت ہے۔ گھٹا اور خطا ہم قافیہ ہیں۔ بادل اور گھٹا سے جو لطف پیدا ہوتا ہے وہ ظاہر ہے دریا اور دل میں بھی مناسبت ہے۔

محاورات: آپ کے کلام میں زبان اور محاورے کی چاشنی عام ہے شاید ہی کوئی شعر محاورے سے خالی ہو۔ ذیل میں چند مثالیں درج ہیں:

کیوں تمنا مری مایوس ہو اے ابرِ کرم
سوکھے دھانوں کا مددگار ہے چھینٹا تیرا
اگر پیوند ملبوسِ پیمبر کے نظر آتے
ترا اے حلۂ شاہی کلیجہ چاک ہوجاتا
سوکھے دھانوں کی بھی خبر لے لے
کہ ہے بادل گھرا ہوا تیرا

بے ساختگی: بے تکلفی اور بے ساختگی شاعر کے اندر بہت بڑی خوبی ہوتی ہے، حسنؔ بریلوی کے اشعار میں بیشتر جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے تکلف باتیں کر رہے ہیں۔ نثر نے شعر کا روپ دھار لیا ہے، ایسے اشعار نثر بھی ہیں شعر بھی چند مثالیں دیکھیں:

مجرمو! ان کے قدم پر لوٹ جاؤ
بس رہائی کی یہی تدبیر ہے
زمین کوے نبی کے جو لیتے ہیں بوسے
فرشتگانِ فلک اُن کو پیار کرتے ہیں
کون سے دل میں نہیں یادِ حبیب
قلب مومن مصطفیٰ آباد ہے
بے یارو مددگار جنھیں کوئی نہ پوچھے
ایسوں کا تجھے یار و مددگار بنایا

ایک نعت میں مسلسل ایسے ہی بے ساختہ اشعار آئے ہیں، فرماتے ہیں:

خداے پاک کی چاہیں گے اگلے پچھلے خوشی
خداے پاک خوشی اُن کی چاہتا ہوگا
پکڑ کے ہاتھ کوئی حالِ دل سنائے گا
تو ان کے قدموں سے کوئی لپٹ گیا ہوگا
کوئی قریب ترازو کوئی لب کوثر
کوئی صراط پر اُن کو پکارتا ہوگا
ہزار جان فدا نرم نرم پاؤں سے
پکار سن کے اسیروں کی دوڑتا ہوتا
کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ
مرے حضور کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا

تشبیہات: مولانا نے حتی الامکان تشبیہات اور استعارے کا استعمال کم کیا ہے لیکن جہاں کہیں کیا ہے استعارے عام فہم اور تشبیہات نہایت لطیف ہیں جن سے شعر کا اثر اور لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔ کہتے ہیں:

ان کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے
ان کے ابرو نہیں دو قبلوں کی یک جائی ہے
چمک جاتا مقدر جب دُرِ دنداں کی طلعت سے
نہ کیوں رشتہ گہر کا ریشۂ مسواک ہو جاتا
بہارِ خلد صدقے ہو رہی ہے روے عاشق پر
کھلی جاتی ہیں کلیاں دل کی تیرے مسکرانے سے

مشکل زمینیں: نعت گوئی عام شعر گوئی سے مشکل فن ہے اس لیے نعتیں عموماً سادہ اور آسان زمینوں میں کہی گئی ہیں۔ سنگلاخ زمینوں میں نعتیہ مضامین نکالنا بہت مشکل کام ہے۔ آپ نے بعض مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں بھی نعتیں کہیں ہیں۔ اس طرح اردو ادب میں نعتیہ مضامین کا دائرہ اور وسیع کر دیا ہے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

پائیں صحراے مدینہ تو گلستاں مل جائے
ہند ہے ہم کو قفس ہم ہیں اسیرانِ قفس
قافلے دیکھتے ہیں جب سوے طیبہ جاتے
کیسی حسرت سے تڑپتے ہیں اسیرانِ قفس

خاکِ طیبہ کی اگر دل میں ہو رفعت محفوظ
عیب کوری سے رہے چشم بصیرت محفوظ
دل میں روشن ہو اگر شمع ولاے مولیٰ

وزدِ شیطاں سے رہے دین کی دولت محفوظ

زمین عجز پہ سجدہ کرائیں شاہوں سے
فلک جناب غلامانِ بارگاہِ رفیع
کمند رشتہ عمر خضر پہنچ نہ سکے
بلند اتنا ہے دیوان بارگاہِ رفیع

ان مشکل زمینوں میں جو نعتیں کہی گئی ہیں ان میں رسمی اشعار نہیں بلکہ زبان و بیان اور فن کی خوبیوں کے ساتھ خیالات میں ندرت بھی ہے اور بعض حقائق بھی بیان ہوئے ہیں۔ ایسے چند اشعار اور حاضر خدمت ہیں۔

آباد کر خدا کے لیے اپنے نور سے
ویران دل ہے دل سے زیادہ کھنڈر دماغ
ہر خار طیبہ زینت گلشن ہو عندلیب
نادان ایک پھول پر اتنا نہ کر دماغ
شاید کہ وصف پاے نبی کچھ بیاں کرے
پوری ترقیوں پہ رسا ہو اگر دماغ

صنعت تلمیح:

حسنؔ بریلوی نعتوں میں آیات و احادیث بھی نہایت ہی خوش اسلوبی سے نظم کرتے ہیں۔ ایسے اشعار جن میں کسی واقعے، قصے، آیت و حدیث یا مقولے کی طرف اشارہ ہو اہل فن اسے صنعت تلمیح کہتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں آیات کے حوالے دیکھیں۔

نعمت اِسْتَجِبْ سے پائے بھیک
ہاتھ پھیلا ہوا مرا یارب
اترنے لگے مَا رَمَیْتَ یَدُ اللہ
چڑھی ایسی زوروں پہ طاقت کسی کی
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے چمکتے خورشید
لامکاں تک ہے اجالے تری زیبائی کے

ان اشعار میں احادیث کا حوالہ ہے۔

کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ
مرے حضور کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا
اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کا لمعان نقش پا
ظلمت میں راہ بر ہے رہِ مستقیم کا

حضور ﷺ نے فرمایا تھا میرے صحابہ ستارے کی طرح ہیں جو کوئی ان میں سے کسی کی اقتدا کرے گا ہدایت پائے گا۔

رباعیات: رباعی کہنا ذرا مشکل فن ہے بعض لوگ ہر چار مصرع کی نظم کو رباعی کہہ دیتے ہیں حالاں کہ رباعی کے اوزان مخصوص ہیں۔ اگر چہار مصرعی نظم رباعی کے وزن میں نہیں تو اسے قطعہ کہنا چاہیے۔ حضرت حسنؔ بریلوی کی رباعیات رباعی کے وزن میں ہیں مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

یارانِ نبی کا وصف کس سے ہو ادا
ایک ایک ہے ان میں ناظم بزم ہدا
پائے کوئی کیوں کر اس رباعی کا جواب
اے اہل سخن جس کا مصنف ہو خدا

جو لوگ خدا کی ہیں عبادت کرتے
کیوں اہل خطا کی ہیں حقارت کرتے
بندے جو گنہ گار ہیں وہ کس کے ہیں
کچھ دیر اسے ہوتی ہے رحمت کرتے

☆☆☆☆☆

خیر الزاد لسفر المعاد
المعروف به
ارکانِ شریعت
مصنف
امام المتاخرین حضرت علامہ
قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمۃ
تخریج و تقدیم: مولانا نثار احمد اشرفی جامعی
ناشر
شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ چشتیہ
پوسٹ ردولی شریف، ضلع فیض آباد (یوپی)

نقد و نظر

نام کتاب: معراجِ زندگی در بندگی
مصنف: مولانا سید شاہ محمد حسنین رضا قادری رحمانی دام ظلہ
صفحات: ۲۶۶،
قیمت: درج نہیں
ناشر: الرحمٰن اسلامک تحقیقاتی فاؤنڈیشن،
خانقاہ رحمانیہ، کیری شریف، بونسی، بانکا، بہار
مبصر: محمد طفیل احمد مصباحی

اطاعتِ رب اور بندگی مولیٰ ہی در اصل زندگی کی معراج ہے۔ ’’زندگی برائے بندگی‘‘ کے اسلامی فلسفے پر عمل کرنا، گویا انسانیت کی تکمیل، خلاصۂ حیات اور معراج زندگی ہے۔ اس کے برعکس اتباعِ شریعت سے روگردانی، دین و دنیا میں نقصان و خسران کا سبب ہے۔ نائبین رسول اور وارثین علوم نبویہ کی حیثیت سے امت کو آدابِ زندگی اور اسباقِ بندگی سکھانا علمائے کرام کا دینی و ملی فریضہ ہے۔ قابلِ مبارک باد ہیں مرشد طریقت حضرت علامہ سید شاہ محمد حسنین رضا قادری رحمانی دام ظلہ العالی، سجادہ نشیں خانقاہ رحمانیہ، کیری شریف، ضلع بانکا، بہار جنھوں نے ’’معراج زندگی در بندگی‘‘ نامی کتاب لکھ کر اصلاح فکر و عمل کی ایک مہتم بالشان خدمت انجام دی اور امت مسلمہ کو آدابِ زندگی اور اسباقِ بندگی سے روشناس کرایا۔ صوبۂ بہار کے ضلع بانکا سے تعلق رکھنے والے عظیم علمی و روحانی بزرگ حضرت علامہ سید شاہ عبد الرحمٰن قادری علیہ رحمۃ الباری، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے تلمیذ و خلیفہ ہیں۔ بھاگل پور، بانکا اور بہار کے دیگر اضلاع میں آپ کر مریدین و مسترشدین کی ایک اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ دین و سنیت کے فروغ اور مذہب و مسلک کی ترویج و اشاعت میں آپ کی خدمات لائق ستائش اور ناقابل فراموش ہیں۔ خانقاہ رحمانیہ اور مدرسہ رحمانیہ، کیری شریف سے دنیا آج بھی آپ کے فیوض و برکات حاصل کر رہی ہے۔

مقام افسوس ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے دیگر تلامذہ و خلفا کی طرح آپ کا کماحقہٗ تعارف نہ ہو سکا اور دنیا آپ کی فکر و شخصیت سے کماحقہ واقف نہ ہو سکی۔ مصنفِ کتاب حضرت مولانا سید شاہ محمد حسنین رضا قادری رحمانی اس مایۂ ناز پدر (سید عبد الرحمٰن قادری تلمیذ و خلیفہ امام احمد رضا بریلوی) کے قابل قدر اور نام ور فرزند ہیں۔

آپ عالم شریعت اور جامع طریقت ہونے کے ساتھ نہایت شریف و وجیہ، خلیق و کریم، متواضع و حلیم، کم گو، بسیار جو شخصیت کے مالک ہیں۔ بڑی خاموشی اور سنجیدہ مزاجی کے ساتھ دین و سنیت کے فروغ میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ آلِ رسول اور آلِ نبی ہونے کی حیثیت سے خدمتِ خلق اور بندگانِ خدا کی حاجت روائی کو اپنی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ مزاج میں صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ تصوف آشنا طبیعت ہی نے آپ کو زیر نظر کتاب ’’معراج در بندگی‘‘ کی تصنیف پر آمادہ کیا ہے۔ کتاب بڑی عمدہ، لاجواب، قابل قدر، علوم و معارف سے لبریز اور بقول مصنف: ’’عصر جدید میں علوم تصوف کے سربستہ رازوں کی کنجی ہے‘‘۔

فاضل مصنف دام ظلہ نے پوری کتاب کو ۲۵۰؍ ذیلی عنوانات کے تحت تصوف آمیز اقوال و ارشادات اور تعلیمات و ہدایات سے سجایا ہے اور اسے علوم تصوف کا ایک لہلہاتا ہوا گلزار بنا دیا ہے۔ اسلوب بڑا پُر کشش، عالمانہ اور محققانہ ہے۔ بیان میں شگفتگی اور زبان میں ادبی چاشنی پائی جاتی ہے۔ کتاب کی ابتداص: ۳۰؍ سے ہوتی ہے اور یہیں سے مصنف کی قلمی جولانی اور بلند پروازی کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔

میرے والد مکرّم حضرت مولانا حافظ و قاری محمد تحسین عالم رضوی بھاگل پوری دام ظلہ نے جب اس کتاب کا مطالعہ فرمایا تو فرطِ مسرت سے جھوم اٹھے اور برجستہ فرمایا: بڑی عمدہ کتاب ہے۔ لیکن کمپوز کی غلطیاں بہت ہیں جو آئندہ ایڈیشن میں قابلِ اصلاح ہیں۔

شائقین تصوف کے لیے یہ ایک گراں قدر علمی و روحانی تمغہ ہے اور تشنگان باطن کے لیے ایک سرچشمۂ ہدایت ہے۔ آج کل اسی قسم کی اصلاحی کتابیں لکھ کر منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے، تاکہ اسلامی معاشرے کو اس کی حقیقی راہ سے آشنا کیا جا سکے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مصنف کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور جماعت اہل سنت پر آپ کا سایہ تا دیر قائم رہے۔ آمین۔

☆☆☆☆

نعت رسول اکرم

(۱)

جو ان کے نام سے اپنا سفر آغاز کرتے ہیں
فرشتے ہر قدم پر دعوتِ شیراز کرتے ہیں

تخیل ندرتِ اسلوب لہجہ کاوش و انداز
لبِ حسّاںؔ اظہارِ سخن ممتاز کرتے ہیں

اجالا پھیلتا ہے دور تک نورِ رسالت کا
ضلالت کے نئے طوفان جب غماز کرتے ہیں

دوا معجون سے مطلب نہ حکمت سے کوئی رشتہ
ثنائے مصطفیٰ سے ہم طبیعت ساز کرتے ہیں

کلید اسم احمد جنکے ہاتھوں میں سلامت ہے
مقفل سارے دروازوں کو وہ در باز کرتے ہیں

عروج و ارتقا چاہو تو قدموں سے لپٹ جاؤ
وہی دونوں جہاں میں سب کو سرافراز کرتے ہیں

فضائے ہند کے کنجِ قفس سے جانب طیبہ
پرندوں نے کہا اطہرؔ چلو پرواز کرتے ہیں

حسن رضا اطہرؔ، بوکارو، جھارکھنڈ

(۲)

عشقِ سرکار دو عالم کی جھلک باقی ہے
اس لیے چہرۂ عاشق میں نمک باقی ہے

جسم اطہر کے پسینے کے تصدق واللہ
گلشنِ دہر کے پھولوں کی مہک باقی ہے

لاکھ طوفان اٹھیں جانب مسلم لیکن
ان کے ایمان و عقیدہ کی کھنک باقی ہے

زندگی شاہ مدینہ کی رہے گی ثابت
یہ زمیں باقی ہے جب تک یہ فلک باقی ہے

"برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایک بار"
سینۂ مہ میں نشاں آج تلک باقی ہے

مدحتِ حضرتِ حسّاںؔ کے صدقے ابتک
بلبلِ باغ رسالت کی چہک باقی ہے

بزمِ امکان سجی نورِ شہِ عالم سے
اور اسی نور سے ایوانِ ملک باقی ہے

ہو گئی عظمتِ سرکار مدلّل لیکن
حیطۂ نجد میں پھر بھی ابھی شک باقی ہے

خوگر جرم و خطا بھول گیا سب لیکن
آمدِ روز قیامت کی بھنک باقی ہے

مل گیا تھا رخِ سرکار کا صدقہ اک بار
چاند تاروں میں ابھی تک وہ دمک باقی ہے

ہو مبارک اے فناؔ تیری ثناخوانی میں
آج بھی حضرتِ حسّاںؔ کی جھلک باقی ہے

ذاکر حسین نوری فناء القادری مصباحی

(۳)

جان بخشی اور کسی منّت سماجت کے بغیر
رہ نہیں سکتے ہیں دشمن بھی اطاعت کے بغیر

سیرتِ سرکار دیتی ہے غریبوں کو سبق
زندگی ایسے گزاری جائے دولت کے بغیر

اک شہنشاہِ دو عالم کی عنایت کے سوا
کچھ نہیں ملتا ہے اِس دنیا میں قیمت کے بغیر

ان کی ہی خاطر بنائیں رب نے آٹھوں جنتیں
وہ مگر جنت میں جائیں گے نہ امت کے بغیر

یا نبی مجھ پر کرم کیجے تو ہو جاؤں مکاں
ورنہ میں ٹوٹی ہوئی دیوار ہوں چھت کے بغیر

چاہیے نذرانہ کچھ بہرِ ملاقاتِ نبی
کون سا منہ لیکے جاؤ گے عبادت کے بغیر

اک حبیبِ کبریا کی چشمِ رحمت کے سوا
کون ملتا ہے کسی سے اب ضرورت کے بغیر

فرق ہے نقطے کا ورنہ اصل میں دونوں ہیں ایک
ان کی حاصل ہو محبت کیسے محنت کے بغیر

اب تو سب دشمن نظر آتے ہیں اپنے شہر میں
اب کہاں چارہ مسلمانوں کو ہجرت کے بغیر

چاہیے مہتابؔ مجھ کو ان کے چہرے کی کرن
ورنہ رہ جائے گی قسمت میری، طلعت کے بغیر

مہتاب پیامی، مبارک پور

صدائے باز گشت

جولائی ۲۰۱۵ء کا اشرفیہ خوب ہے

مکرمی مدیر اعلیٰ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلام مسنون

انٹرنیٹ پر جولائی ۲۰۱۵ء کا ماہنامہ اشرفیہ دیکھنے کو ملا۔ ماشاء اللہ خوب ہے۔ ٹائٹل پیج جس میں فیس بک کی تصویر اور فیس بک سے متعلق مواد ہے، دل کو بھا گیا۔ اتنی خوبصورت، دلکش اور جاذب نظر پیش کش پر راقم الحروف پوری ادارتی ٹیم کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور آئندہ بھی اس سے بہتر کی امید رکھتا ہے۔ محب گرامی حضرت مولانا محمد طفیل احمد مصباحی دام ظلہ کا اداریہ "فیس بک: دعوت و تبلیغ کا ایک بہترین ذریعہ" پسند آیا۔ مولانا کی اس بات سے مجھے پورا اتفاق ہے کہ "انٹرنیٹ کی مقبول ترین اور ہر دل عزیز ویب سائٹ "فیس بک" بھی دعوت و تبلیغ کا اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے بھی دعوت و تبلیغ کا کام وسیع پیمانے پر انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن شرعی ہدایات کی پاسداری ملحوظ رکھی جائے اور کسی شرعی قباحت کی آمیزش کے بغیر محتاط طریقے سے اس کا استعمال کیا جائے۔ آج فیس بک استعمال کرنے والوں میں ایک اچھی خاصی تعداد باصلاحیت علمائے کرام کی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو اسلامی احکام و مسائل، اہل سنت کے عقائد و معمولات اور دینی تعلیمات فیس بک پر نشر اور شیئر (Share) کر کے دین و مذہب کی تبلیغ کا مقدس فریضہ انجام دے سکتے ہیں"۔

بلا شبہ عصر حاضر میں فیس بک اور دیگر برقی ذرائع ابلاغ اپنی بات پہنچانے کا ایک اہم اور موثر ترین ذریعہ ہے۔ ادھر فیس بک پر آپ نے کوئی پیغام نشر کیا، ادھر سات سمندر پار رہنے والوں کو آپ کا پیغام موصول ہو گیا اور چند منٹوں میں فیس بک کے معلوماتی سیلاب میں آپ کا پیغام بہنے لگا۔ مقام افسوس ہے کہ آج فیس بک کا استعمال زیادہ تر تضیع اوقات، تفریح طبع اور ٹائم پاس کے طور پر ہو رہا ہے۔ نام نمود اور اپنی بڑائی کے اظہار کا ذریعہ بھی فیس بک بن چکا ہے۔

اگر فیس بک کو مثبت طریقے سے استعمال کیا جائے اور اسے وسیع پیمانے پر دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ ایک عظیم دعوتی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ فیس بک کے حوالے سے مولانا طفیل احمد مصباحی نے جن امور و ہدایات کی طرف رہنمائی کی ہے، انہیں عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا افتخار احمد عطاری کا مضمون "شرح فقہ اکبر کے نازک مقامات" بڑا علمی و تحقیقی ہے اور اور اشرفیہ جیسے علمی و تحقیقی مجلّہ کے شایان شان ہے۔ اس قسم کے علمی و تحقیقی مضامین معاصر رسائل و جرائد میں اب بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا افتخار احمد مدنی کو جزائے خیر سے نوازے۔ شخصیات کے کالم میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مایۂ ناز کتاب "لمعات التنقیح" پر استاذ گرامی حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری دامت برکاتہم العالیہ کا مضمون بھی کافی پسند آیا۔ جن طلبۂ اشرفیہ نے لمعات التنقیح شائع کیا تھا، وہ ہماری ہی جماعت کے طلبہ تھے. الحمد اللہ ذالك.

جناب مولانا تحسین عالم تحسینؔ رضوی بھاگل پوری کی نظم "فکر امروز" بڑی اہمیت کی حامل ہے اور ذہن و فکر کو اپیل کرنے والی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مادر علمی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کو سلامت رکھے اور اسے ہمہ جہت تعمیر و ترقی سے سرفراز کرے اور ماہنامہ اشرفیہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط۔ دعا گو

محمد شکیل احمد مصباحی سارٹھ، دیو گھر، جھار کھنڈ

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کیجیے

ممبئی میں

مولانا محمد شرف الدین صاحب

نیو سنی مسجد، گھڑپ دیو، ممبئی۔۲۳

امبیڈکر نگر میں

محمد کلیم بک سیلر

پٹرول ٹنکی کے سامنے، حیات گنج

ٹانڈہ، ضلع امبیڈکر نگر (یوپی)

مہراج گنج میں

مولانا محمد قاسم مصباحی

مدرسہ عزیزیہ مظہر العلوم

نچلول بازار، مہراج گنج (یوپی)

خیر و خبر

بھیونڈی میں حافظ ملت کانفرنس کا شاندار انعقاد

الجامعۃ الاشرفیہ حافظ ملت کے اخلاص وعمل کا شاہکار اور اہل سنت کی آبرو ہے۔ (حضور عزیز ملت)

ٹھاکرے ہال بھیونڈی میں ایک عظیم الشان پروگرام بنام حافظ ملت کانفرنس و یاد شہید بغداد،، منعقد کیا گیا۔ بھیونڈی کے عوام و خواص علما نے ملک کی عظیم دینی وعصری درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے نام سے منسوب تقاریب میں حصہ لیا۔ کانفرنس کا آغاز قرآن مقدس کی تلاوت سے ہوا۔ بعدہٗ تنویر عطاری نے حمد ونعت پیش کی۔ نالندہ بہار سے تشریف لائے ہوئے مقرر ذیشان حضرت مولانا سید سیف الدین اصدق نے شہید بغداد حضرت علامہ اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر پُرسوز خطاب فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ علامہ اسید الحق نئی نسل علما کے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتے تھے درس وتدریس کی مصروفیات، تصنیف وتالیف، خانقاہ قادریہ کا انتظام، تبلیغی وتعلیمی اسفار، مریدین وعوام اہل سنت کے درمیان درس وارشاد، اکابرین کی کتابوں کو نئی آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر لانا، جدید وقدیم کتابوں کی نشر و اشاعت جیسی مختلف جہات میں ساری زندگی مصروف کار رہے۔ سید صاحب نے حضور حافظ ملت کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مشہور قاری قرآن ونعت خواں قاری ریاض الدین اشرفی نے تلاوت قرآن اور نعت ومنقبت سے مجمع پر کیف وسرور طاری کر دیا۔ اس کے بعد جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے استاذ حضرت مفتی بدر عالم مصباحی نے طمانیت قلب کے موضوع پر مدلل خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ذکر الٰہی نہ صرف اطمینان قلب کا ذریعہ ہے بلکہ اصلاح قلب بھی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ بعدہٗ ناظم اجلاس نے دفتر کی سالانہ رپورٹ پیش کی، گل پوشی کی گئی اور اشرفیہ دفتر کے زیر انتظام ۲۵؍ روزہ دینی تربیتی کیمپ میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے اسکولی طلبہ کو علماے کرام کے مقدس ہاتھوں ۳؍ موبائل فون اور حوصلہ افزائی کے ۱۰؍ انعامات تقسیم کیے گئے۔ اخیر میں مقرر خصوصی حضرت علامہ ومولانا شاکر علی نوری امیر سنی دعوت اسلامی ممبئی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ: آج امت مسلمہ نے اپنا تعلق قرآن سے ختم کر لیا ہے جس کا نتیجہ ہم اور آپ امت کی بربادی کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ ایسے حوصلہ شکن اور مایوس کن ماحول میں حضور حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ نے مبارک پور اعظم گڑھ یوپی میں الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی قائم کر کے نئی نسل کے تاب ناک مستقبل کی بنیاد رکھی اور قوم مسلم کو حوصلہ دیا۔ حضور حافظ ملت صرف حافظ قرآن ہی نہیں بلکہ عامل قرآن بھی تھے جب ان سے آرام کرنے کو کہا جاتا تو فرماتے "زمین کے اوپر کام اور زمین کے نیچے آرام" اور جب کہا جاتا حضور مخالفین کو جواب دیا جائے تو فرماتے "ہر مخالفت کا جواب کام ہے" اور موصوف نے فرمایا الجامعۃ الاشرفیہ ہمیں درس عمل دے رہا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے کہ اس ادارے کی تعمیر وترقی میں اپنا تعاون پیش کرے۔ ان کے بعد صدر اجلاس حضور عزیز ملت علامہ عبد الحفیظ قبلہ نے قوم کے نام اپنے پیغام میں فرمایا کہ الجامعۃ الاشرفیہ حافظ ملت کے اخلاص وعمل کا شاہکار اور اہل سنت کی آبرو ہے لیکن حافظ ملت کا یہ خواب قوم کے تعاون سے ہی معرض وجود میں آیا ہے آج الحمد للہ جامعہ کے پاس ۶۰؍ ایکڑ سے زیادہ زمین ہے۔ انتظامیہ کمیٹی نے آپ کے تعاون اور آئندہ سال تعلیمی وتعمیری ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ۶؍ کروڑ کا بجٹ پاس کیا ہے۔ ہمیں امید کہ ہمیشہ کی طرح اس سال بھی الجامعۃ الاشرفیہ کا بھرپور تعاون فرمائیں گے۔ صلوٰۃ وسلام اور حضور سربراہ اعلیٰ کی دعاؤں پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔ نقیب اجلاس جناب محمد وقار رضا نے سامعین بالخصوص علماے کرام کا شکریہ ادا کیا۔

المرسل۔ ناظم اشرفیہ دفتر بھیونڈی

جامعہ عارفیہ سید سراواں میں

مفتی مطیع الرحمن رضوی کے توسیعی خطابات

الہ آباد (پریس ریلیز) اسلامی قوانین کی افادیت فقہی اختلاف پر مبنی ہے۔ اس کو ذاتیات سے متعلق کرنا شریعت کا مذاق بنانا ہے۔ اختلاف صحابۂ کرام اور سلف صالحین میں بھی تھا؛ لیکن وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے، آپس میں محبت سے رہتے

تھے۔لیکن آج ہمارے معاشرے کا حال یہ ہے کہ ایک جزوی مسئلے میں اختلاف کی بنا پر تفسیق وتذلیل اور تضلیل وتکفیر تک کر جاتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی نے جامعہ عارفیہ میں منعقد دو روزہ پروگرام ”امام شعرانی یادگاری خطبہ“ کے پہلے دن اپنے توسیعی خطاب بعنوان ”فقہی اختلافات، آداب اور حدود“ میں کیا۔

انہوں نے واقعات کے ذریعے مثال دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے اسلاف کے درمیان جب اختلاف ہوتا اور اپنے موقف پر دلائل پیش کرتے تو دیکھنے والے کو ایسا لگتا جیسے ان میں کبھی اتفاق ہو ہی نہیں سکتا ،لیکن جب مجلس سے اٹھتے تو ایسا لگتا جیسے کبھی ان میں اختلاف رہا ہی نہیں۔آج ہمیں بھی انہیں آداب کو ملحوظ رکھنا ہوگا تبھی امت میں اتحاد ممکن ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ امام اعظم اور امام شافعی کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ برحق ہیں فرق صرف یہ ہے کہ شوافع کے لیے امام شافعی کا قول اور احناف کے لیے امام اعظم کا قول قابل عمل ہے، ہاں ناگزیر حالات میں دوسرے مذہب پر بھی عمل جائز ہے۔حضرت مفتی صاحب نے اس کی مثال بھی دی۔انہوں نے درد بھرے لہجے میں طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے اختلاف کے آداب کو ملحوظ نہیں رکھا میرے طلبہ!آپ لوگ اس کی پاسداری کریں،کیوں کہ آپ ہی جماعت کے مستقبل ہیں۔انہوں نے کہا کہ اختلاف کے سلسلے میں علما وطلبہ لیے امام شعرانی کی کتاب ”میزان الشریعۃ الکبریٰ“ کا مطالعہ کافی مفید ہے۔

امام شعرانی یادگاری خطبہ کے تحت دوسرا خطاب ”علم الکلام کے اصولی اور فروعی مباحث“ کے عنوان سے تھا۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے بتایا کہ عقیدہ کے مختلف درجات ہیں، ان درجات کے ثبوت کے لیے دلائل کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا کہ لوگ مطلق عقیدے کے اختلاف کو کفر وایمان کا اختلاف سمجھتے ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔صرف قطعی عقاید کا انکار کفر ہے۔

مفتی صاحب قبلہ نے اپنے خطاب میں مزید فرمایا کہ عقیدے کے اندر جو ضروریات دین ہیں ان کا انکار کفر ہے جیسے نماز، روزے کی فرضیت کا انکار، ضروریات اہل سنت کا انکار گمراہی ہے، ان کا انکار کرنے والا اہل سنت سے خارج ہوگا البتہ اسلام میں داخل رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ۷۲ رگمراہ فرقے اہل سنت سے خارج ہیں اسلام سے خارج نہیں ہیں۔اسی طرح بعض عقیدے ظنی اور احتمالی ہیں، ان کے انکار سے گمراہی بھی لازم نہیں آتی۔ مثلاً اگر کوئی میلاد کرنے کو جائز نہیں سمجھتا تو وہ سنی ہے اگرچہ خاطی ہے۔ اور بعض اختلافات وہ ہیں جن میں خطا بھی نہیں بلکہ ہر دو عالم اپنی جگہ برحق اور درست ہیں جیسے شافعی اور حنفی اختلافات۔

فتووں کی بے وقعتی اور ان کی اہمیت کے گرتے ہوئے گراف پر روشنی ڈالتے ہوئے مفتی صاحب نے کہا کہ اس کے ذمہ دار ہم مفتی لوگ ہیں۔دارالافتا میں ہمیں مسائل شرعیہ عملیہ کا حکم بتانے کے لیے بٹھایا گیا ہے لیکن ہر مفتی لوگوں کو کافر اور گمراہ بنانے میں لگا ہوا ہے۔

اس پروگرام میں جامعہ عارفیہ کے طلبہ واساتذہ کے علاوہ کثیر تعداد میں مقامی اور بیرونی علما واساتذہ نے شرکت کی۔ خصوصاً پہلے دن کے خطبہ کے لیے انہیں خصوصی دعوت دی گئی تھی، اہم شرکا میں ان حضرات کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولانا خوشتر نورانی، دہلی، مولانا ناصر رامپوری، مولانا احمد حبیب قاضی شہر کوشامبی، مولانا اکبر احسانی استاذ دارالعلوم پھرواری، مولانا اسحاق مصباحی استاد دارالعلوم احسانیہ منجھن پور، جامعہ امدادالعلوم کراری کے پرنسپل محترم عمران اور وہاں کے اساتذہ اور اطراف الہ آباد وکوشامبی کے دیگر علما وائمہ۔ دونوں اجلاس عصر حاضر کے معروف داعی ومصلح حضرت داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی، سجادہ نشیں خانقاہ عارفیہ کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

جامعہ عبداللہ بن مسعود ودارالعلوم قادریہ ضیاے مصطفی، کولکاتا میں

انوار رضا کانفرنس اور جلسہ دستار بندی

شہر کلکتہ کی نامور دینی درس گاہ جامعہ عبداللہ بن مسعود کولکاتا کا سالانہ جلسہ دستار بندی بنام انوار رضا کانفرنس ۵رجون ۲۰۱۵ء مطابق ۱۷رشعبان المعظم ۱۴۳۶ھ بروز جمعہ روایتی شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا محمد ابوالکلام احسن القادری، مفتی مختار عالم رضوی، مفتی دلدار عالم مصباحی، مولانا شریف الحسن کانپوری تشریف فرما ہوئے اور شعرائے کرام کی حیثیت سے ذیشان متھراوی، حسان محمد، ارشد امام، فیضان مجاہد، حامد رضا ویشالوی اور تابش ونیاز موجود تھے۔ خصوصیت کے ساتھ محدث جلیل شمس الاساتذہ حضرت علامہ عبدالشکور صاحب مصباحی شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی شرکت ہوئی۔

ترتیب وارحضرت مولانا شریف الحسن صاحب، مولانا سیف اللہ علیمی صاحب اور پروفیسر سجاد عالم مصباحی کی پر مغز اور جامع تقریریں ہوئیں اور اسٹیج پر موجود تمام مداحان مصطفیٰ نے نعت و مناقب پیش کیے۔ نظامت کے فرائض حضرت مولانا جنید عطا قادری اور کفیل عنبر اشرفی نے بڑے حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیے تقریبا ۱۲ر بجے شب محدث حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی صاحب قبلہ کو جامعہ عبداللہ بن مسعود کے سربراہ مفتی محمد رحمت علی مصباحی نے حضرت ''عبداللہ بن مسعود ایوارڈ'' اور ''شمس الاساتذہ'' کا تکریمی خطاب پیش کیا اور تمام حاضرین و سامعین نے اس حسین منظر کا استقبال نعرہائے تکبیر و رسالت کی گونج سے کیا۔ اس کے بعد مولانا قمرالدین مصباحی استاذ جامعہ مذکورہ نے حضرت محدث جلیل کی شان میں مکتوب سپاس نامہ پڑھ کر سنایا، اس کے بعد حضرت محدث جلیل نے قوم سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ اس وقت مدارس اہل سنت اغیار کی نظروں میں بہت کھٹک رہے ہیں کیوں کہ دین و ایمان کی حفاظت و صیانت اور ترویج و اشاعت کے مراکز یہی ہیں اور ایسے پر خطر وقت میں اگر آپ لوگ مدارس سے دور ہوجائیں گے اور ساتھ نہ دیں گے تو ان کی حفاظت کون کرے گا لہٰذا اپنے مسلک و مشرب نیز مدارس کی حفاظت کے لیے آپ لوگوں کا ان سے جڑا رہنا ضروری ہے، پھر حضرت نے جامعہ کی تعمیر و تعلیمی سرگرمیوں کو خوب سراہا اور سربراہ جامعہ کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی کی دعائیں کی اس کے بعد جامعہ سے فارغ ہونے والے علما و قرا کے سروں پر دستار باندھی گئی اور تقریبا تین بجے صلوۃ و سلام، بعدہ حضرت کی دعا پر جلسہ کا اختتام عمل میں آیا۔

دوسری شب یعنی ۶ر جون بروز سنیچر دارالعلوم قادریہ ضیاے مصطفی کا سالانہ جلسہ دستار بندی بنام انور رضا کانفرنس طے شدہ پروگرام کے مطابق انعقاد پذیر ہوا اس میں حضرت قاری بشیر القادری، حضرت مولانا قمرالدین مصباحی کی تقریریں ہوئیں اور مداحان رسول انام ﷺ نے نعت اور منقبت امام اعظم ابوحنیفہ پیش کیا۔ اس کے بعد تقریبا ۱۲ر بجے شب حضرت مفتی دلدار عالم مصباحی صدر شعبہ افتا دارالعلوم ضیاء الاسلام ٹکیہ پاڑہ ہوڑہ، نے طہارت و نظافت کے موضوع پر بڑی مدلل تقریر فرمائی پھر طے شدہ ترتیب کے مطابق سوال و جواب کا پروگرام شروع ہوا یعنی سامعین کی طرف سے کیے گئے دینی سوالات کا جواب حضرت مفتی صاحب قبلہ نے دیا، یہ سلسلہ بڑی کامیابی کے ساتھ تقریبا ۴۵ر منٹ جاری رہا تاہم عوام کی خواہش کے باوجود وقت کی تنگی کے سبب موقوف کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت محدث جلیل حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی کا مختصر مگر جامع بیان ہوا پھر دارالعلوم سے فارغ ہونے والے حفاظ و قرا کے سروں پہ علماے کرام کے مقدس ہاتھوں دستار رکھی گئی اور اخیر میں حضرت محدث جلیل کی خدمت میں کلکتہ کے مصباحی علما نے گراں قدر تحائف پیش کیے۔ بعدہ دارالعلوم و جامعہ کے سربراہ حضرت مفتی محمد رحمت علی مصباحی نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا پھر صلاۃ و سلام اور حضرت محدث جلیل کی دعا پر کانفرنس کا اختتام عمل میں آیا۔ دونوں جگہوں پر شرکاے کانفرنس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

مفتی محمد افضل حسین مصباحی، مفتی سجاد عالم مصباحی، مفتی محمد شمیم رضا مصباحی مظفر پور، مولانا غلام ربانی فیضی، ماسٹر محمد فیاض احمد عزیزی (جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)، مولانا عارف حسین مصباحی، مولانا نصیرالدین رضوی، مولانا حسان رضا مصباحی، مولانا اشرف مصباحی، مولانا فیض عالم مصباحی، مولانا مظفر رضا مصباحی، مولانا غلام آسی مصباحی، مولانا شاہدالقادری رضوی، مولانا عبدالخالق مصباحی (ہگلی)، مولانا ندیم مصباحی، مولانا اشتیاق عالم مصباحی، مولانا معین الدین، مولانا اسرارالحق مصباحی، حافظ اشرف رضا قادری، ان کے علاوہ شہر و مضافات کے اور بھی علماے کرام، نظماے مدارس اور ائمہ مساجد شریک تھے جن کے نام اس وقت میرے ذہن میں نہیں ہے۔

از: جامعہ عبداللہ بن مسعود، کولکاتا

آل راجستھان سنی تعلیمی کانفرنس۔ باسنی، ناگور شریف

آل رجستھان سنی تبلیغی جماعت باسنی، ناگور (راجستھان) ہر تین سال پر ایک تعلیمی کانفرنس منعقد کرتی ہے۔ جس میں شاخہائے جماعت کے عزیز طلبہ وطالبات کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں اور علما و مشائخ کے خطابات و تاثرات ہوتے ہیں۔ بتاریخ ۱۸۔۱۹ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ مطابق ۶۔۷ جون ۲۰۱۵ء کو آل راجستھان دسویں سہ سالہ دوروزہ سنی تعلیمی کانفرنس جانشین مفتی اعظم راجستھان حضرت علامہ

مفتی شیر محمد خاں رضوی شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور کی صدارت میں انعقادپذیر ہوئی۔ جس میں جماعت ہذاکی دینی وتبلیغی خدمات کوپیش کرتے ہوئے ان ۲۰ محنتی معلّمین کوخصوصی انعام سے نوازاگیاجنہوں نے تعلیم وتدریس اور تبلیغ دین میں خوب جدوجہد فرماکر جہالت کومٹانے میں اچھاکردار پیش کیا۔اور ۱۸۰ کے قریب ان حضرات کوشال اورکتاب پیش کی گئی جنہوں دیہات وقصبات میں مسجدومدرسہ کے لئے زمینیں وقف کرکے فروغ دین وسنیت میں جماعت کا بھرپور تعاون کیا۔یہ جماعت الحمدللہ ۳۸ر سال سے اشاعت دین وسنیت میں مصروف عمل ہے جس کامقصداول چھوٹے چھوٹے دیہات میں مدارس ومساجد کاقیام عمل میں لاکرجہالت وبدمذہبیت کا خاتمہ کرکے کم پڑھے لکھے لوگوں کے ایمان وعقیدہ کاتحفظ کرناہے، جواپنے اس مشن وتحریک میں اکابرعلماوسادات کی دعاسے کامیابی کے ساتھ شاہ راہ ترقی پر گامزن ہے۔آج تک جماعت کے زیرتعاون ونگرانی چلنے والے مدارس ومکاتب کی تعداد ۵۲۰ر ہوچکی ہے جن کے اندرایک اندازے کے مطابق ۳۵ر ہزار طلبہ وطالبات دینی علوم سے آراستہ ہورہے ہیں۔دسویں کانفرنس میں راجستھان بھرسے علماومشائخ نے شرکت فرماکر حوصلہ افزاکلمات وتاثرات سے اراکین جماعت کی دعوتی وتبلیغی خدمات کوسراہاتے ہوئے عوام اہل سنت کوتعلیمی وتبلیغی میدان میں آگے بڑھنے کی تاکید کی اور کہاایمان وعقیدہ کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ علم دین حاصل کیاجائے اور جماعت کی شاخوں میں بچوں کوزیادہ سے زیادہ بھیج کرسنیت کوفروغ دیاجائے"۔

پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمدنظامی بانی جماعت ہذا اور حضورمفتی اعظم راجستھان حضرت مفتی محمداشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمہ کولمحہ بہ لمحہ یادکرتے ہوئے سربراہ جماعت مفتی اعظم باسنی حضرت علامہ ولی محمد رضوی نے کہا: آج ہماری یہ کانفرنس پاسبان ملت اورحضور مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ کی ظاہری سرپرستی سے ضرور خالی ہے مگران کی روحانی سرپرستی اس جماعت کوانشاء اللہ ہمیشہ حاصل رہے گی، مفتی صاحب قبلہ جماعت کی ہرکانفرنس میں تشریف لاکرہماری حوصلہ افزائی فرماتے اوردعاؤں سے نوازتے تھے"۔ باسنی،ناگور شریف،کھاری کے علاوہ راجستھان بھرسے علماوخطبانے دسویں کانفرنس میں شرکت فرمائی۔

از: محمداسلم رضاقادری اشفاقی

☆☆☆☆

(ص:۱۹/ کابقیہ)......

سے گزرکررحم مادر(Uterus)میں چلاجاتاہے اوروہاں ایک خاص مقام پرٹھہرجاتاہے۔اس جگہ کودوسرااندھیرا(حجاب) کہتے ہیں۔

(۳)۔غلاف جنین جھلی

(The Amniochorionic Membrane)

یہاں ایک پوٹلی(Amniotic Sac)ابتدائی شکل کے اردگردایک مخصوص مائع کی شکل میں پیداہوجاتی ہے۔پھرانسانی اعضااوردوسراحیاتیاتی نظام اسی کے اندرافزائش پاتاہے۔پھرجب یہ جنین نظرآنے کے قابل ہوجاتے ہیں تویہ محض گوشت کاایک لوتھڑاسانظرآتاہے جس کے مرکزمیں انسان کوابتدائی حالت میں شناخت کرنامشکل ہوتاہے اوروہاں تدریجاً بڑھتاہے اوروہیں ہڈیوں کی ساخت(Bone Structure)اعصابی نظام(Nervos system) ،پٹھے(Muscles)،اورآنتیں(Viscerae)تخلیق ہوتی ہیں۔اس جگہ کوتیسرااندھیرا(حجاب) کہہ سکتے ہیں۔..............(جاری)

مآخذومراجع

☆قرآن مجید ☆اللہ کی نشانیاں ☆سائنسی انکشافات قرآن وحدیث کی روشنی میں

☆مائیکروسافٹ اینکارٹاانسائیکلوپیڈیا،۱۹۹۶

☆http://www.windows.ucar.edu/tour/link=/earth/Life/genetics_intro.html

☆The Quran and Modern Science by Dr. Zakir Naik Page: 52

☆ Microsoft Encarta DVD Edition 2009****